توحیدِ باری تعالیٰ

افادات

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن دامت برکاتہم

مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید باری تعالیٰ

افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

توحید باری تعالیٰ کے متعلق تین باتیں قابل فہم ہیں۔

1: ذاتِ باری تعالیٰ 2: صفاتِ باری تعالیٰ 3: اسمائے باری تعالیٰ

﴿1: ذاتِ باری تعالیٰ﴾

ذات باری تعالیٰ کے بارے میں پانچ بنیادی باتیں سمجھنی ضروری ہیں۔

[1]: اللہ تعالیٰ کی تعریف

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد تمیمی المعروف ابن الجوزی رحمہ اللہ (ت 597ھ) لکھتے ہیں:

[اَللّٰہُ تَعَالیٰ] لَیْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْھَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا طَوِیْلٍ وَلَا عَرِیْضٍ وَلَا یَشْغُلُ الْاَمْکِنَۃَ وَلَا یَحْوِیْہِ مَکَانٌ وَلَا جِھَۃٌ مِّنَ الْجِھَاتِ السِّتِّ وَلَیْسَ بِمُتَحَرِّکٍ وَلَا سَاکِنٍ وَلَا یُدْرِکُہُ الْاِحْسَاسُ.

(دفع شُبہِ التشبیہ لابن الجوزی: ص107)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں، نہ جوہر ہے، نہ عرض، نہ طویل، نہ عریض، نہ کسی مکان میں اتر کر اس کو بھرتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہاتِ ستہ میں سے کوئی خاص جہت ثابت ہے، نہ ہی وہ متحرک ہے، نہ ساکن ہے، نہ ہی حواس کے ذریعہ اس کی حقیقت کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ:

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں چند الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کی تعریف پیش کی جاتی ہے:

1: جسم

مولانا سید شاہ حسن دیوبندی رحمہ اللہ (ت 1391ھ) لکھتے ہیں:

اَلْمُرَکَّبُ مِنْ جُزْئَیْنِ فَصَاعِداً.

(احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص76)

ترجمہ: دو یا دو سے زائد اجزاء سے مرکب چیز کو جسم کہتے ہیں۔

2: جوہر

مولانا سید شاہ حسن دیوبندی رحمہ اللہ (ت 1391ھ) لکھتے ہیں:

کُلُّ مُمْکِنٍ لَہٗ قِیَامٌ بِذَاتِہٖ أَیْ لَیْسَ تَحَیُّزُہٗ تَابِعاً لِتَحَیُّزِ غَیْرِہٖ.

(احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص76)

ترجمہ: ہر وہ ممکن چیز ہے جس کا قیام ذاتی ہو یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسری چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع نہ ہو۔

3: عرض

مولانا سید شاہ حسن دیوبندی رحمہ اللہ (ت 1391ھ) لکھتے ہیں:

كُلُّ مُمْكِنٍ لَهُ قِيَامٌ بِالْغَيْرِ أَيْ يَكُوْنُ تَحَيُّزُهُ تَابِعاً لِتَحَيُّزِ الْغَيْرِ.

(احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص76)

ترجمہ: ہر اس ممکن چیز کو عرض کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو، یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسرے چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع ہو۔

4: مکان

امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) لکھتے ہیں:

اَلتَّمَكُّنُ عِبَارَةٌ عِنْدَ نُفُوْذِ بُعْدٍ فِيْ بُعْدٍ آخَرَ مُتَوَهَّمٍ اَوْ مُتَحَقَّقٍ يُسَمُّوْنَهُ الْمَكَانَ.

(شرح العقائد النسفیہ: ص40، 41)

ترجمہ: تمکن سے مراد ایک بُعد کا دوسرے بُعد میں سرایت کرنا خواہ وہ دوسرا بُعد متوہم ہو یا متحقق ہو۔ اسی بعد کا نام متکلمین "مکان" رکھتے ہیں۔

5: جہت

مشہور لغوی علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی المعروف مرتضیٰ الزبیدی رحمہ اللہ (ت 1205ھ) لکھتے ہیں:

اَلْجِهَةُ: النَّاحِيَةُ وَالْجَانِبُ. (تاج العروس: مادہ وجہ)

ترجمہ: جہت ایک سمت اور کنارے کو کہتے ہیں۔

[2]: اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾

(سورۃ اخلاص: 1)

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔

[3]: اللہ تعالیٰ اول و آخر ہے۔

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾

(سورۃ حدید: 3)

ترجمہ: وہ سب سے پہلے اور سب سے آخر ہے۔

فائدہ: اول سے مراد حقیقی اول ہے جس کے لئے ابتداء نہیں اور آخر سے مراد حقیقی آخر ہے جس کے لئے انتہاء نہیں۔

علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمہ اللہ (ت 911ھ) لکھتے ہیں:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ﴾ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ بِلَا بِدَايَةٍ ﴿وَالْاٰخِرُ﴾ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ بِلَا نِهَايَةٍ. (تفسیر الجلالین: سورۃ الحدید آیت 2)

ترجمہ: "وہ اول ہے" یعنی بغیر کسی ابتداء کے ہر چیز سے پہلے ہے۔ "وہ آخر ہے" یعنی بغیر کسی انتہاء کے ہر چیز کے بعد ہے۔

علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمہ اللہ (ت 911ھ) اپنی دوسری تفسیر "الدر المنثور" میں روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا لِأُقِرَّ عَيْنَيْهَا بِالْبَرَاءَةِ وَهِيَ تَبْكِيْ فَقَالَتْ: وَاللهِ لَقَدْ هَجَرَنِي الْقَرِيْبُ وَالْبَعِيْدُ حَتّٰى هَجَرَتْنِي الْهِرَّةُ وَمَا عُرِضَ عَلَيَّ طَعَامٌ وَلَا شَرَابٌ فَكُنْتُ أَرْقُدُ وَأَنَا جَائِعَةٌ ظَامِئَةٌ فَرَأَيْتُ فِيْ مَنَامِيْ فَتًى فَقَالَ لِيْ: مَا لَكِ؟ فَقُلْتُ: حَزِيْنَةٌ مِمَّا ذَكَرَ النَّاسُ. فَقَالَ: ادْعِيْ بِهٰذِهٖ يُفَرِّجُ عَنْكِ فَقُلْتُ: وَمَا هِيَ؟ فَقَالَ: قُوْلِيْ يَا سَابِغَ النِّعَمِ وَدَافِعَ النِّقَمِ وَيَا فَارِجَ الْغُمَمِ وَيَا كَاشِفَ الظُّلَمِ يَا أَعْدَلَ مَنْ حَكَمَ يَا حَسِيْبَ مَنْ ظَلَمَ يَا وَلِيَّ مَنْ ظُلِمَ يَا أَوَّلُ بِلَا بِدَايَةٍ وَيَا آخِرُ بِلَا نِهَايَةٍ يَا مَنْ لَهُ اسْمٌ بِلَا كُنْيَةٍ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِيْ مِنْ أَمْرِيْ فَرَجًا وَمَخْرَجًا قَالَتْ: فَانْتَبَهْتُ وَأَنَا رَيَّانَةٌ شَبْعَانَةٌ وَقَدْ أَنْزَلَ اللهُ مِنْهُ فَرَجِيْ.

(تفسیر الدر المنثور للسیوطی: سورۃ النور آیت 26)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا تاکہ میں ان سے ان کی برات والا واقعہ سن کر ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کروں۔ آپ نے روتے ہوئے فرمایا اللہ کی قسم مجھ کو قریب اور دور والوں نے چھوڑ دیا یہاں تک کہ مجھے بلی نے بھی چھوڑ دیا اور مجھے نہ کھانا پیش کیا جاتا اور نہ پینا میں سو رہی تھی اور میں بھوکی اور پیاسی تھی ایک دن میں نے نیند میں ایک نوجوان کو دیکھا اس نے مجھ سے پوچھا تجھے کیا ہوا؟ میں نے کہا لوگوں نے جو باتیں کی ہیں میں ان کی وجہ سے پریشان ہوں۔ اس نوجوان نے کہا یہ دعا کر تجھ سے غم جاتا رہے گا۔ میں نے پوچھ وہ دعا کیا ہے تو اس نے کہا یہ دعا مانگو۔ اے نعمتوں کی بارش برسانے والے اور ناراضگیاں دور کرنے والے اے غم کے دور کرنے والے اور اے ظلم کے ہٹانے والے، اے انصاف کرنے والے، اے ظالم سے ظلم کا حساب لینے والے، اے مظلوم کی مدد کرنے والے اور اے سب سے پہلے جس کی کوئی ابتداء نہیں اور اے سب سے آخر جس کی کوئی انتہاء نہیں۔ اے وہ ذات جو کنیت سے پاک ہے۔ اے اللہ میرے لیے میرے معاملے میں کشادگی اور نکلنے کا راستہ بنا دے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں بیدار ہوئی تو میری پیاس بجھی ہوئی اور پیٹ بھرا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس تنگی سے میرے نکلنے کا راستہ بنا دیا۔

[4]: اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے کیونکہ اگر قدیم نہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ عدم سے وجود میں آنے کے لیے وہ کسی ایسی چیز کے محتاج تھے کہ وہ ملی ہے تو وجود ملا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کائنات میں کسی چیز کے محتاج نہیں کیونکہ وہ "صمد" ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ (سورۃ الاخلاص:2)

"صمد" کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی (ت 710ھ) لکھتے ہیں:

[اَلَّذِيْ] لَا يَحْتَاجُ إِلٰى أَحَدٍ وَيَحْتَاجُ إِلَيْهِ كُلُّ أَحَدٍ.

(تفسیر المدارک للنسفی: ج2 ص842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

[5]: اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا جہت اور بلا مکان موجود ہے۔

﴿2: صفات باری تعالیٰ﴾

صفات کی دو قسمیں ہیں:

[۱]: محکمات [۲]: متشابہات

[1]: صفات محکمات

وہ ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت وغیرہ۔

[2]: صفات متشابہات

یہ وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات ہیں۔

صفات محکمات کی اقسام:

صفات محکمات کی دو قسمیں ہیں: 1: صفات ذاتیہ 2: صفات فعلیہ

(1): صفات ذاتیہ

وہ صفات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف نہ ہو سکے انہیں "ام الصفات" بھی کہتے ہیں اور یہ سات ہیں:

حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

- اللہ تعالیٰ صفتِ حیات کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "موت" کے ساتھ نہیں۔
- صفتِ علم کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "جہل" کے ساتھ نہیں۔
- صفتِ قدرت کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "عجز" کے ساتھ نہیں۔
- صفتِ ارادہ (عزم و یقین) کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد تردد و بے یقینی کے ساتھ نہیں۔
- صفتِ سمع کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "صَمّ" (بہرا پن) کے ساتھ نہیں۔
- صفتِ بصر کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "عَمیٰ" (نابینا پن) کے ساتھ نہیں۔
- صفتِ کلام کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "بَکَم" (گونگا پن) کے ساتھ نہیں۔

1: حیات

زندہ ہونا۔ اس کی ضد یعنی "موت" سے اللہ تعالیٰ پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ﴾

(سورۃ البقرۃ: 255)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ سے زندہ اور سب کو تھامنے والا ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی حیات ازلاً، ابداً وحیات کل شئی بہ مُؤبداً ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حیات ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی اور دنیا کی ہر چیز کی

حیات اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے۔

2:علم

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا نہیں فرمایا تھا تب بھی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ کس کس مخلوق کو پیدا کروں گا اور وہ کیا کام کرے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ازل سے لے کر ابد تک کے تمام واقعات واحوال کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾

(سورۃ آل عمران:29)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

3:قدرت

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

(سورۃ البقرۃ:20)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

فائدہ نمبر1: قدرت کا تعلق "ممکنات" کے ساتھ ہوتا ہے، واجبات و محالات کے ساتھ نہیں، کیونکہ واجب و محال میں اپنے ماسویٰ کی تاثیر قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی، جیسے سورج ہر چیز کو گرم کرتا ہے مگر وہ سنگ مرمر جس میں سورج کی تپش قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ جون، جولائی میں دوپہر بارہ بجے بھی ٹھنڈا ہی رہتا ہے۔

فائدہ نمبر2:

یہاں تین لفظ سمجھیں! واجب الوجود، محال، ممکن

(1):واجب الوجود

میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ (ت816ھ) فرماتے ہیں:

وَاجِبُ الْوُجُوْدِ هُوَ الَّذِيْ يَكُوْنُ وُجُوْدُهٗ مِنْ ذَاتِهٖ وَلَا يَحْتَاجُ اِلٰى شَيْءٍ اَصْلًا.

(کتاب التعریفات: ص174 باب الواو)

ترجمہ: واجب الوجود وہ ہے جس کا وجود ذاتی ہو اور وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو۔

(2):محال

میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ (ت816ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمُحَالُ مَا يُمْتَنَعُ وُجُوْدُهٗ فِي الْخَارِجِ.

(کتاب التعریفات: ص143)

ترجمہ: محال وہ ہے جس کا ہونا ناممکن ہو۔

محال کی اقسام:

محال کی تین قسمیں ہیں:

محال عقلی، محال شرعی اور محال عادی

1: محال عقلی

وہ ہے جس کا وجود عقلاً ناممکن ہو۔

مثال:

ایک چیز آگ بھی ہو اور پانی بھی ہو، ایک چیز روشنی بھی ہو اور اندھیرا بھی ہو۔

2: محال شرعی

وہ ہے جس کا وقوع شرعاً ناممکن ہو یعنی شریعت اس کے وقوع کو تسلیم نہ کرے۔

مثال:

دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا، کافر کا جنت میں جانا۔

3: محال عادی

وہ چیز جس کا وقوع عادتاً محال ہو۔ عام طور پر لوگوں کی عادت میں نہ ہوتا ہو۔

مثال:

ایک آدمی اتنا دوڑے کہ پانچ سو کلومیٹر فی گھنٹا اس کی رفتار ہو۔

(تنقیحاتِ متکلم اسلام)

(3): ممکن

میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ (ت816ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَقْتَضِيْ شَيْئًا مِنَ الْوُجُوْدِ وَالْعَدَمِ.

(کتاب التعریفات: ص296)

ترجمہ: ممکن وہ ہے جس کا ہونا، نہ ہونا برابر ہو۔

4: ارادہ

اللہ تعالیٰ اپنے ارادے میں کسی زمان و مکان یا مخلوق کے پابند و محتاج نہیں بلکہ جس چیز کا جب ارادہ فرمائیں فرما سکتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائیں کہ فلاں شخص کو فلاں زمانے میں پیدا کرنا ہے تو یہ ارادہ مخلوق کا پابند نہیں کہ مخلوق چاہے گی تب فلاں شخص فلاں زمانے میں پیدا ہو گا بلکہ یہ ارادہ مخلوق کی پابندی اور احتیاجی کے بغیر ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔

﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾

(سورۃ البروج: 16)

ترجمہ: اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے کر ڈالتا ہے۔

5: سمع

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی نداء کو سنتے ہیں۔ یہ سننا بھی مخلوق کے سننے کی طرح نہیں کیونکہ مخلوق سننے میں کان کی محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بغیر کان کے سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾

(سورۃ البقرۃ:224)

ترجمہ: اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

6: بصر

مخلوق دیکھنے میں آنکھ اور بینائی کی محتاج ہے لیکن باری تعالیٰ کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں لیکن آنکھ اور قوت بصر کے محتاج نہیں بلکہ بغیر آنکھ کے دیکھتے ہیں۔

﴿اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۢ بَصِيْرٌ﴾

(سورۃ الملک:19)

ترجمہ: بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

7: کلام

صفت کلام اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے قائم ہے۔ جسے ”کلام نفسی“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يٰمُوْسٰۤى اِنِّی اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ﴾

(سورۃ الاعراف:144)

ترجمہ: اے موسیٰ! میں نے اپنا پیغام پہنچانے اور کلام کرنے کے لیے لوگوں میں سے آپ کو چنا ہے۔

فائدہ نمبر1:

اللہ تعالیٰ کی صفت وہ کلام ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے قائم ہے، جسے ”کلامِ نفسی“ کہتے ہیں اور کلام اصل میں ”کلام نفسی“ ہی ہوتا ہے۔ کلام لفظی اس کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے۔

معروف شاعر غیاث بن غوث تغلبی المعروف اخطل (ت 98ھ) کا شعر ہے:

اِنَّ الْكَلَامَ لَفِی الْفُؤَادِ وَاِنَّمَا
جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفُؤَادِ دَلِيْلَا

(شرح المقاصد للتفتازانی: ج2 ص102)

ترجمہ: کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو دل (کے اس کلام) پر دلیل بنایا گیا ہے۔

فائدہ نمبر2:

کلامِ نفسی کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے الفاظ اور حروف کا لباس عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلامِ نفسی بھی قدیم ہے

اور اس پر الفاظ و حروف کا لباس بھی قدیم ہے، ہاں البتہ مخلوق کا اس کو قراۃ و کتابت کرنا حادث ہے۔

فائدہ نمبر 3:

کسی بھی صفت کا وجود الگ ہے اور اس کا ظہور الگ۔ صفت کلام کا وجود قدیم ہے جو ازل سے ہے ہاں صفت کلام کا ظہور بوقت ضرورت اللہ تعالیٰ فرمادیتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا صفت کلام کا وجود ازل سے تھا اس کا ظہور اس وقت ہوا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پہ تشریف لے گئے۔

فائدہ نمبر 4:

قدیم اور حادث کی تعریفات:

قدیم کی تعریف:

میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ (ت 841ھ) فرماتے ہیں:

وَيُطْلَقُ الْقَدِيْمُ عَلَى الْمَوْجُوْدِ الَّذِيْ لَيْسَ وُجُوْدُهُ مَسْبُوْقًا بِالْعَدَمِ.

(کتاب التعریفات: ص123)

ترجمہ: قدیم کا معنی وہ جو ہمیشہ سے ہو جس پہ کبھی عدم نہ آیا ہو۔

حادث کی تعریف:

میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ (ت 841ھ) فرماتے ہیں:

اَلْحَادِثُ مَایَکُوْنُ مَسْبُوْقًا بِالْعَدَمِ.

(کتاب التعریفات: ص59)

ترجمہ: حادث سے مراد ایسی چیز جو پہلے نہ ہو۔

(2): صفات فعلیہ

وہ صفات ہیں جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو سکے لیکن اس صفت کا وقوع اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہو جیسے احیاء، اماتت۔ اب احیاء میں حیات کا وقوع اور اماتت میں موت کا وقوع مخلوق پر ہے۔ اسی طرح اعزاز، اذلال۔ اب اعزاز میں عزت کا وقوع اور اذلال میں ذلت کا وقوع مخلوق پر ہے۔

سوال:

بعض صفات ایسی ہیں جو متشابہات بھی نہیں اور محکمات کی دونوں قسموں یعنی ذاتیہ اور فعلیہ کے تحت بھی نہیں آتیں مثلاً حکیم خبیر یہ متشابہات نہیں چونکہ ان کا معنی واضح ہے اور محکمات بھی نہیں اس لئے کہ نہ یہ صفات ذاتیہ ہیں کیونکہ وہ سات ہیں اور نہ ہی صفات فعلیہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ صفت حکیم کی ضد کے ساتھ موصوف ہو صفت خبیر کی ضد کے ساتھ موصوف ہو۔

جواب:

یہ جو سات صفات ذاتیہ ہیں یہ ام الصفات ہیں باقی تمام صفات جو متشابہات نہیں اور محکمات فعلیہ بھی نہیں وہ ان سات صفات ذاتیہ کے تحت داخل ہو جائیں گی۔

فائدہ نمبر 1:

صفات باری تعالیٰ قدیم ہیں جیسے ذات باری تعالیٰ قدیم ہے۔ مثلاً جب مخلوق نہیں تھی اللہ تب بھی خالق تھے، اللہ کا خالق ہونا وجودِ مخلوق پر موقوف نہیں البتہ مخلوق کا وجود اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر موقوف ہے۔ صفت خلق کا وجود اور ہے اور اس کا ظہور اور یعنی صفت خلق کا وجود مخلوق کے موجود ہونے سے پہلے تھا البتہ اس کا ظہور مخلوق کے وجود کے ساتھ ہوا ہے۔

فائدہ نمبر 2:

صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں؛ کیونکہ دو چیزوں کے مفہوم کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہو تو اسے "عین" کہتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر ہو سکتا ہو تو اس کو "غیر" کہتے ہیں۔ صفات باری تعالیٰ عینِ ذاتِ باری اس لئے نہیں کہ صفت، ذات سے ایک زائد چیز کا نام ہے اور غیر اس لئے نہیں کہ صفت تابع اور موصوف متبوع ہوتا ہے اور تابع بغیر متبوع کے نہیں ہو سکتا اور ذات باری تعالیٰ صفات کے بغیر اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

مَتَشابہات کی اقسام:

مَتَشابہ کی پہلی قسم:

غیر معلوم المعنی و غیر معلوم المراد۔ یعنی ان کا لغوی معنی بھی معلوم نہ ہو اور مراد شرعی بھی معلوم نہ ہو۔

مثال: جیسے حروف مقطعات الم، حٰم، ن۔

فائدہ 1: اس قسم کو مَتَشابہ من کل الوجوہ بھی کہتے ہیں۔

فائدہ 2: الم، حٰم، ن۔ یہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں، اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لہذا حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

مَتَشابہ کی دوسری قسم:

معلوم المعنی و غیر معلوم المراد یعنی لغوی معنی معلوم ہو، مراد شرعی معلوم نہ ہو جیسے: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

(سورۃ الحدید: 4)

فائدہ 1: اس قسم کو مَتَشابہ من بعض الوجوہ بھی کہتے ہیں۔

فائدہ 2: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں جو بظاہر صفتیں نہیں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان کے بارے میں تین موقف ہیں:

صفاتِ متشابہات کے بارے میں تین موقف

1: موقف متقدمین اھل السنۃ والجماعۃ:

اَلتَّفْوِیْضُ مَعَ تَنْزِیْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَنْ مُّشَابَہَۃِ الْمَخْلُوْقَاتِ.

ترجمہ: ہم ان الفاظ کے معانی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

[1]: امام ابو القاسم ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری اللالکائی رحمہ اللہ (ت418ھ) اپنی سند کے ساتھ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ (ت189ھ) سے نقل کرتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ عَلَى الْإِيمَانِ بِالْقُرْآنِ وَالْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَ بِهَا الثِّقَاتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صِفَةِ الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ غَيْرِ تَغْيِيرٍ وَلَا وَصْفٍ وَلَا تَشْبِيهٍ، فَمَنْ فَسَّرَ الْيَوْمَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ, فَقَدْ خَرَجَ مِمَّا كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ، فَإِنَّهُمْ لَمْ يَصِفُوا وَلَمْ يُفَسِّرُوا، وَلٰكِنْ أَفْتَوْا بِمَا فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ ثُمَّ سَكَتُوا.

(شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ للالکائی: ج1 ص354، 355رقم الفقرۃ740)

ترجمہ: امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مشرق سے لے کر مغرب تک تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق قرآن کریم اور ثقات راویوں سے مروی احادیث مبارکہ میں جو نصوص آئی ہیں ان پر بغیر کسی تبدیلی، بغیر کیفیت بیان کئے اور بغیر تشبیہ کے ایمان لانا ضروری ہے۔ جو شخص ان صفات کا (حتمی) معنی بیان کرے گا تو وہ حضور علیہ الصلاۃ و السلام کی شریعت سے ہٹ گیا۔ اور سواد اعظم سے الگ ہو گیا۔ اس لئے کہ اسلاف نہ تو ان صفات کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی تفسیر کرتے ہیں بلکہ جو کچھ قرآن اور سنت میں ہے ہے اسی کو بیان کر کے (ان کی تشریح کے بارے) خاموش ہو جاتے ہیں۔

امام ابو القاسم ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری اللالکائی رحمہ اللہ (ت418ھ) ایک اور سند سے امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ (ت189ھ) سے "احادیث ھبوط" کے متعلق یہ موقف نقل کرتے ہیں:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ، فِي الْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَتْ: "إِنَّ اللّٰهَ يَهْبِطُ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا" وَنَحْوَ هٰذَا مِنَ الْأَحَادِيثِ: إِنَّ هٰذِهِ الْأَحَادِيثَ قَدْ رَوَتْهَا الثِّقَاتُ، فَنَحْنُ نَرْوِيهَا وَنُؤْمِنُ بِهَا وَلَا نُفَسِّرُهَا.

(شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ للالکائی: ج1 ص355 رقم الفقرۃ741)

ترجمہ: امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ احادیث جنہیں ثقہ راویوں نے نقل کیا اور ان میں اللہ تعالیٰ کے لئے نزول وغیرہ ثابت ہوتا ہے تو ہم بھی ان روایات کو نقل کرتے ہیں، ان پہ ایمان لاتے ہیں اور ان کی تفسیر نہیں کرتے۔

[2]: علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ (ت792ھ) لکھتے ہیں:

وَالْاَدِلَّةُ الْقَطْعِيَّةُ قَائِمَةٌ عَلَى التَّنْزِيْهَاتِ فَيَجِبُ اَنْ يُّفَوَّضَ عِلْمُ النُّصُوْصِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَا هُوَ دَاْبُ السَّلَفِ.

(شرح العقائد النسفیہ: ص169 تحت الصفۃ ولا یجری علیہ زمان)

ترجمہ: اس بات پر دلائل قطعیہ موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم، اعضائے جسم اور جہت سے پاک ہیں لہذا (جن نصوص کے ظاہر سے اعضاء

ثابت ہوتے ہیں) ان کے حقیقی معانی کو اللہ پاک کے سپرد کرنا ضروری ہے، جیسا کہ یہ اسلاف کا طریقہ ہے۔

[3]: امام زین الدین قاسم بن قُطلُوبُغا السودونی الجمالی الحنفی رحمہ اللہ (ت 879ھ) لکھتے ہیں:

وَقَالَ سَلَفُنَا فِيْ جُمْلَةِ الْمُتَشَابِهِ: نُؤْمِنُ بِهٖ وَنُفَوِّضُ تَأْوِيْلَهٗ إِلَى اللهِ تَعَالٰى مَعَ تَنْزِيْهِهٖ عَمَّا يُوْجِبُ التَّشْبِيْهَ وَالْحُدُوْثَ.

(حاشیۃ علی المسایرۃ للقطلوبغا: ص45)

ترجمہ: ہمارے سلف حضرات تمام متشابہات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ہم ان صفات پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان تمام امور سے پاک ہے جن سے تشبیہ اور حدوث ثابت ہوتا ہو۔

[4]: علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَعُلَمَاءُ السُّنَّةِ بَعْدَ إِجْمَاعِهِمْ عَلٰى أَنَّ مَعَانِيَهَا الظَّاهِرَةَ غَيْرُ مُرَادَةٍ ذَهَبُوْا مَذْهَبَيْنِ، أَحَدُهُمَا مَذْهَبُ السَّلَفِ وَهُوَ الْإِيْمَانُ بِمَا أَرَادَ اللهُ سُبْحَانَهٗ وَتَفْوِيْضُ عِلْمِهَا إِلَيْهِ تَعَالٰى مَعَ تَنْزِيْهِهٖ عَنِ التَّجَسُّمِ وَالتَّشَبُّهِ.

(النبراس شرح شرح العقائد: ص120)

ترجمہ: علمائے اہل السنۃ اس بات پر اجماع کرنے کے بعد کہ ان الفاظ کا ظاہری معنی مراد نہیں، دو موقف رکھتے ہیں۔ ایک موقف علمائے سلف کا ہے کہ ان صفات سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہو ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ جسم رکھنے اور مشابہ ہونے سے پاک ہے۔

متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کا خلاصہ چھ باتیں ہیں:

1: ان کلمات سے مراد اعضاءِ جسم نہیں۔

2: یہ کلمات صفات ہیں۔

3: یہ کلمات صفات متشابہات ہیں

4: ان کلمات متشابہات کے حقیقی معانی ہمیں معلوم نہیں۔

5: ہم ان کلمات کے معانی اور مفاہیم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

6: ان کلمات کے جو معانی بھی ہوں وہ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

فَمَا ذَكَرَ اللهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالْعَيْنِ فَهُوَ لَهٗ صِفَاتٌ وَلَا يُقَالُ اِنَّ يَدَهٗ قُدْرَتُهٗ اَوْ نِعْمَتُهٗ لِاَنَّ فِيْهِ اِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْقَدْرِ وَالْاِعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهٗ صِفَتُهٗ بِلَا كَيْفٍ.

(الفقہ الاکبر ص4)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو وجہ، ید اور نفس کا ذکر فرمایا ہے تو یہ اس کی صفات بلا کیف ہیں۔ یوں نہیں کہنا چاہیے کہ "ید" سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے جو کہ قدریہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا "ید" اس کی صفت بلا کیف ہے۔

سوال:

"ید" کا معنی "قدرت" کریں تو اس سے ابطالِ صفت کیسے لازم آتا ہے؟ کیونکہ قدرت تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

جواب:

"ید" کا معنی "قدرت" کرنے سے ابطالِ صفت یوں لازم آتا ہے کہ

"ید" صفتِ محکمہ بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ صفتِ محکمہ تب ہو گی جب اس کا معنی بالکل واضح ہو اور جو معنی واضح ہے وہ "ہاتھ" ہے جو کہ عضو ہے، صفت نہیں۔ تو یہ صفتِ محکمہ نہ ہوئی۔

یہ صفت متشابہ کی پہلی قسم غیر معلوم المعنی غیر معلوم المراد بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ "ید" کا لغوی معنیٰ معلوم ہے جو کہ ہاتھ یعنی عضو ہے۔

یہ صفت متشابہ کی دوسری قسم معلوم المعنیٰ غیر معلوم المراد بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا معنی "قدرت" کرنے کی صورت میں مرادِ شرعی بھی تو معلوم ہو گئی۔

تو "ید" کا معنی "قدرت" کرنے سے یہ صفت کی کوئی قسم بھی نہیں بن پاتی۔ ہاں "ید" صفت اس وقت بنے گی جب اس کا لغوی معنی تو معلوم ہو لیکن مراد معلوم نہ ہو۔

یہی بات امام اعظم رحمہ اللہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر "ید" کا معنی "قدرت" کریں گے تو صفت ہی باطل ہو جائے گی اور یہی معتزلہ کا موقف ہے۔

2: موقف متاخرین اھل السنۃ والجماعۃ

یہ کلمات صفات متشابہات ہیں اور ان کے حقیقی معانی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں، ہم ان کے معانی میں درجہ ظن میں مناسب مقام تاویل کرتے ہیں۔ مثلاً ید کا معنی قدرت، عین کا معنی حفاظت اور وجہ کا معنی ذات۔

[1]: علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) لکھتے ہیں:

يُأَوَّلُ بِتَاوِيْلَاتٍ صَحِيْحَةٍ عَلٰى مَا اخْتَارَهُ الْمُتَاخِّرُوْن دفعاً لِمَطَاعِنِ الْجَاهِلِيْن وجَذْباً لِضَبْعِ الْقَاصِرِيْن.

(شرح العقائد النسفیہ ص169 تحت الصفۃ ولا یجری علیہ زمان)

ترجمہ: متاخرین اھل السنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ جہلاء کے اعتراضات کے جوابات دینے اور ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کے لئے صفات متشابہات میں مناسب تاویل کی جائے گی۔

[2]: امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید المعروف ابن الہمام رحمہ اللہ (ت 861ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا التَّاوِيْلُ لِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ صَرْفِ فَهْمِ الْعَامَّةِ عَنِ الْجِسْمِيَّةِ وَهُوَ يُمْكِنُ اَنْ يُّرَادَ وَلَا يُجْزَمَ بِاِرَادَتِهٖ.

(المسایرۃ مع المسامرۃ لابن الہمام: ص48 الاصل الثامن)

ترجمہ: ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے 'عوام کی فہم کو "عقیدۂ جسمیت" سے بچانے کے لئے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اور اس پر جزم (یقین) نہ کیا جائے۔

[3]: علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَمَذْهَبُ الْخَلَفِ تَفْسِيْرُهَا بِمَا يَلِيْقُ بِهٖ تَعَالٰى لِاشْتِهَارِ الْمَذَاهِبِ الْفَاسِدَةِ فِيْ زَمَانِهِمْ وَتَضْلِيْلِ الْمُشَبِّهَةِ عَوَامَّ الْمُسْلِمِيْنَ فَفَعَلُوْا ذٰلِكَ حِفْظاً لِلدِّيْنِ.

(النبراس شرح شرح العقائد: ص120)

ترجمہ: علمائے خلَف (از اھل السنۃ) کا موقف یہ ہے کہ ان صفات کی ایسی تاویل کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو کیونکہ خلَف کے زمانے میں غلط نظریات عام ہو رہے تھے اور فرقہ مشبہہ عامۃ المسلمین کو گمراہ کر رہا تھا، تو خلَف حضرات نے صفات کی تاویل اس لیے کی تاکہ لوگوں کے اعتقادات کو فاسد ہونے سے بچایا جاسکے۔

سوال:

صفات میں تاویل تو معتزلہ کا قول ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

فَمَا ذَكَرَ اللّٰهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالْعَيْنِ فَهُوَ لَهٗ صِفَاتٌ وَلَا يُقَالُ إِنَّ يَدَهٗ قُدْرَتُهٗ أَوْ نِعْمَتُهٗ لِأَنَّ فِيْهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدْرِ وَالْإِعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهٗ صِفَتُهٗ بِلَا كَيْفٍ.

(الفقہ الاکبر ص4)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو ''وجہ، ید اور عین'' کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ کی صفات ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ''ید'' سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے' کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے' (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا ید اس کی صفت بلا کیف ہے۔

جواب:

معتزلہ درجۂ یقین میں جبکہ متاخرین درجۂ ظن میں تاویل کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1:

متقدمین اور متاخرین کے مابین نزاع لفظی ہے کیونکہ متقدمین اھل السنۃ والجماعۃ صفات کے معنی مؤول کو درجہ یقین میں قبول نہیں کرتے جبکہ متاخرین اھل السنۃ معنیٰ مؤول کو درجۂ ظن میں قبول کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2:

بوقتِ ضرورت متشابہات میں تاویل کرنا متاخرین سے ہی نہیں بلکہ بعض متقدمین اھل السنۃ والجماعۃ سے بھی ثابت ہے۔ بطورِ مثال چند متقدمین کی عبارت درج ذیل ہیں:

(1): حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت 68ھ)

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا السَّاقُ فَجَاءَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ قَالَ: عَنْ شِدَّةٍ مِنَ الْأَمْرِ.

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج13 ص524، باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ کہ جس دن ساق کھول دی جائے گی میں لفظ ''ساق'' کا معنی بیان کرتے ہوئے

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت 68ھ) فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ جس دن سخت معاملہ رونما ہو گا۔

(2): امام مجاہد بن جَبْر المکی رحمہ اللہ (ت 103ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ ﴿اسْتَوٰى﴾ عَلَا عَلَى الْعَرْشِ. (صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

ترجمہ: امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ﴿اسْتَوٰى﴾ کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہوا۔

(3): امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمہ اللہ (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وَلَيْسَ قُرْبُ اللهِ تَعَالٰى وَلَا بُعْدُهٗ مِنْ طَرِيْقِ طُوْلِ الْمَسَافَةِ وَقِصَرِهَا وَلٰكِنْ عَلٰى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ.

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

(4): امام ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن یحییٰ بن مبارک اللغوی النحوی رحمہ اللہ (ت 237ھ) لکھتے ہیں:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ اسْتَوٰى: اسْتَوْلٰى.

(غریب القرآن وتفسیرہ: ص243)

ترجمہ: "اللہ عرش پر مستوی ہوا" کا معنی ہے کہ عرش کا مالک بنا۔

فائدہ نمبر 3:

متاخرین نے یہ موقف عوام الناس کو اہلِ بدعت (مجسمہ، جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم مانتے ہیں) کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اختیار کیا۔ دراصل مجسمہ؛ اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، آنکھ، چہرہ وغیرہ ثابت کرتے تھے۔ یہ لوگ دلیل یوں دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ید، وجہ، عین وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں جن کا معنی ہاتھ، آنکھ، چہرہ ہے۔ جب انہیں کہا جاتا کہ ہاتھ، آنکھ، چہرہ تو جسم کا ہوتا ہے اور جسم حادث ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، آنکھ، چہرہ ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آتا ہے تو مجسمہ جواباً کہتے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ، آنکھ، چہرہ ہے لیکن کما یلیق بشانہ۔ یہ جواب دے کر مجسمہ اس اعتراض سے بچنے کی کوشش کرتے اور عوام الناس کے عقیدہ کو فاسد کرتے رہتے۔

فرقہ مجسمہ کے اس فاسد موقف کو رد کرنے کے لیے جب عوام الناس کو یہ کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ، آنکھ، چہرہ نہیں ہے تو فرقہ مجسمہ اعتراض کرتے کہ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ید، وجہ، عین کے الفاظ استعمال کیے ہیں تو آپ کیسے کہتے ہیں کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت نہیں ہیں۔ اس لیے متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ نے یہ موقف اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ید ہے لیکن مراد ہاتھ نہیں بلکہ "قدرت" ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے عین ہے لیکن مراد آنکھ نہیں بلکہ "حفاظت" ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے وجہ ہے لیکن مراد چہرہ نہیں بلکہ "ذات" ہے۔ یوں مجسمہ کا اعتراض بھی ختم ہوا اور عوام الناس ان مجسمہ کے فتنے سے بھی محفوظ ہوئے۔

فائدہ نمبر 4:

سلف سے مراد 300 ہجری کے آخر تک کے محققین ہیں۔

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ (ت 748ھ) فرماتے ہیں:

فَالْحَدُّ الْفَاصِلُ بَیْنَ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَأَخِّرِ هُوَرَأْسُ سَنَةِ ثَلَاثِ مِأَةٍ.

(میزان الاعتدال للذہبی: ج1 ص48، مقدمۃ المصنف)

ترجمہ: متقدمین و متاخرین کے درمیان حدِ فاصل تین سو ہجری کا آخر ہے۔

سوال:

اگر مجسمہ ید کا معنی ہاتھ لیتے ہیں جو کہ اصل کے خلاف اور غلط ہے ہم نے ان سے بچنے کے لیے ید کا معنی قدرت لے لیا ہے یہ بھی اصل کے خلاف ہے تو یہ بھی غلط ہے تو دونوں خلاف اصل ہو گئے تو پھر تاویل کرنے کا فائدہ کیا ہو گا؟

جواب:

"ید" کا معنی ہاتھ کرنا یہ بالکل خلاف اصل ہے۔ خلاف اصل کا معنی کہ "ید" کا معنی ہاتھ کریں گے تو عضو ہو گا اور اللہ کے لیے عضو کسی درجہ میں بھی ثابت نہیں ہے اور اگر ہم "ید" کا معنی قدرت کرتے ہیں تو گو یہاں "ید" کا معنی قدرت کرنا خلافِ اصل ہے لیکن یہ معنیٰ ایک اور اصل کے مطابق ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کے لیے قدرت تو ثابت ہے اور ہم نے "ید" کا معنی وہی قدرت کر دیا لیکن کیا درجہ گمان میں ہے نہ کہ درجہ یقین میں۔

3: موقف غیر مقلدین

ید، عین، ساق وغیرہ کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱): غیر مقلد عالم محمد یحییٰ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔

(عقیدہ مسلم از محمد یحیی گوندلوی؛ ص177)

اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں۔

(عقیدہ مسلم از محمد یحیی گوندلوی؛ ص179)

(۲) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن صالح بن محمد بن سلیمان بن عبد الرحمٰن العثیمین (ت 2001ء) آیت ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ﴾ کے بارے میں لکھتے ہیں:

اَلصَّحِيْحُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالْوَجْهِ هُنَا وَجْهُ اللهِ الْحَقِيْقِيُّ اَیْ اِلٰی اَیِّ جِهَةٍ تَتَوَجَّهُوْنَ فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی.

(شرح عقیدۃ واسطیۃ: ص156)

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ یہاں "وجہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی چہرہ ہے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہو گا کہ جس جہت کی طرف تم رخ کرو اسی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا چہرہ ہے۔

(۳) شیخ ڈاکٹر محمد بن خلیل ہراس (ت 1975ء) لکھتے ہیں:

تَضَمَّنَتْ هَاتَانِ الْاٰيَتَانِ إِثْبَاتَ الْيَدَيْنِ صِفَةً حَقِيقِيَّةً لَهٗ سُبْحَانَهٗ عَلٰی مَا يَلِيْقُ بِهٖ.

(شرح عقیدۃ واسطیۃ لخلیل ہراس: ص61)

ترجمہ: یہ دو آیتیں (یعنی ﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَیَّ﴾ (سورۃ ص: 75) اور ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ (سورۃ المائدۃ: 64) اللہ تعالیٰ کے لیے دو ہاتھوں کو صفت حقیقی کے طور پر ثابت کرتی ہیں جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ کی صفت کو بیان کرنے کے لیے جو الفاظ لائے جاتے ہیں مثلاً سمیع، بصیر، علیم وغیرہ تو مخلوق کی صفات کو بھی بیان کرنے کے لیے یہی الفاظ لائے جاتے ہیں جیسے زید سمیع، عمرو بصیر، محمد علیم لیکن اللہ تعالیٰ کے حق میں جب یہ الفاظ بولے جاتے ہیں تو اس وقت معنی اور ہوتا ہے اور جب مخلوق کے حق میں یہ الفاظ بولے جاتے ہیں تو اس وقت معنی اور ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حق میں ان الفاظ کا معنی الگ ہوتا ہے مثلاً اللہ سمیع ہے یعنی بغیر آلات واسباب کے سنتا ہے، قریب اور بعید سے سنتا ہے، سننے میں حدود کا پابند نہیں ہے جبکہ مخلوق کے سمیع ہونے کا معنی ہے کہ مخلوق آلات واسباب کے ساتھ سنتی ہے، قریب سے سن سکتی ہے لیکن دور سے نہیں سن سکتی، مخلوق سننے میں حدود کی پابند ہے کہ ایک حد تک سن سکتی ہے، اس سے آگے نہیں سن سکتی۔

امام علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1088ھ) فرماتے ہیں:

وَجَازَ التَّسْمِيَةُ بِعَلِيٍّ وَرَشِيْدٍ مِنَ الْاَسْمَآءِ الْمُشْتَرَكَةِ وَيُرَادُ فِيْ حَقِّنَا غَيْرُ مَا يُرَادُ فِيْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى.

(الدر المختار: ج6 ص417، فرع یکرہ إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم یتخطر قاب الناس)

ترجمہ: کسی کا نام اسماء مشترکہ میں سے رکھنا جائز ہے جیسے "علی" اور "رشید"۔ ہمارے حق میں ان اسماء کا وہ معنی مراد نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے لیے مراد ہوتا ہے۔

دلائل اهل السنۃ والجماعۃ

دلیل نمبر 1:

﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾.

(سورۃ الاخلاص: 2)

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔

علامہ حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی رحمہ اللہ (ت 710ھ) لکھتے ہیں:

[اَلَّذِيْ] لَا يَحْتَاجُ اِلٰى اَحَدٍ وَيَحْتَاجُ اِلَيْهِ كُلُّ اَحَدٍ.

(تفسیر المدارک للنسفی: ج2 ص842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اللہ تعالیٰ موجود ہونے میں جسم کے، سننے میں کان کے، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہیں۔

دلیل نمبر 2:

متشابہ کی دو قسمیں ہیں:

ا: غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات الٓمٓ، حٰمٓ، نٓ وغیرہ۔

۲: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

(سورۃ الحدید:4)

اگر ہم ان کلمات ید، عین وغیرہ سے اعضاء مجھول الکیفیۃ مراد لیں تو متشابہ کی ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم معلوم المعنی معلوم المراد مجھول الکیفیۃ لازم آئے گی، جبکہ متشابہ کی تیسری قسم باطل ہے اور مستلزم باطل بھی باطل ہوتا ہے۔

سوال:

متشابہ کی یہ دو قسمیں منصوص نہیں بلکہ اجتہادی ہیں تو اگر متشابہ کی تیسری قسم معلوم المعنی، معلوم المراد، مجھول الکیفیت مان لی جائے تو اس میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟

جواب:

تیسری قسم باطل ہے اس لئے کہ کیفیات ہمیشہ اجسام کی ہوتی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے اور کیفیات جسم سے پاک ہیں، لہذا تیسری قسم ممکن نہیں۔

چنانچہ امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی رحمہ اللہ (ت458ھ) فرماتے ہیں:

فَاِنَّ الَّذِیْ یَجِبُ عَلَیْنَا وَعَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّعْلَمَہٗ اَنَّ رَبَّنَا لَیْسَ بِذِیْ صُوْرَۃٍ وَلَا ھَیْئَۃٍ فَاِنَّ الصُّوْرَۃَ تَقْتَضِی الْکَیْفِیَّۃَ وَھِیَ عَنِ اللہِ وَعَنْ صِفَاتِہٖ مَنْفِیَّۃٌ.

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص21، باب ماذکر فی الصورۃ)

ترجمہ: جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت والا ہے نہ ہیئت والا کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کیفیات سے پاک ہیں۔

دلیل نمبر3:

معنی جنس، نوع کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ "ید" جو کہ اسم جنس ہے کا معنی "جارحہ" کام کرنے والا ہے جو کہ بالاتفاق حادث ہے۔ اگر "ید اللہ" سے بھی یہی معنی مراد ہو تو "ید" جو کہ صفت باری ہے، کا حادث ہونا لازم آئے گا حالانکہ "ید اللہ" جو کہ صفت باری ہے، قدیم ہے۔

دلیل نمبر4:

ان کلمات کے حقیقی معنی مگر مجھول الکیفیۃ مراد لینے سے تناقض اور تضاد لازم آئے گا کیونکہ حقیقی معنی مجھول الکیفیۃ نہیں بلکہ معلوم الکیفیۃ ہے۔ تناقض باطل ہوتا ہے اور جو مستلزم باطل ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے۔

فائدہ: تناقض کا معنی دو چیزوں کا یا دو چیزوں کے مفہوم کا ایک دوسرے کے خلاف ہونا۔

دلیل نمبر5:

اگر ان کلمات "ید، عین، وجہ، ساق" وغیرہ کے لئے کیفیات ثابت کر دی جائیں اگرچہ مجھول ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم لازم آئے گا کیونکہ کیفیات اجسام کے ساتھ خاص ہیں۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی رحمہ اللہ (ت458ھ) فرماتے ہیں:

فَاِنَّ الَّذِیْ یَجِبُ عَلَیْنَا وَعَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّعْلَمَہٗ اَنَّ رَبَّنَا لَیْسَ بِذِیْ صُوْرَۃٍ وَلَا ھَیْئَۃٍ فَاِنَّ الصُّوْرَۃَ تَقْتَضِی الْکَیْفِیَّۃَ

وَهِيَ عَنِ اللّٰهِ وَعَنْ صِفَاتِهٖ مَنْفِيَّةٌ.

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص21، باب ماذکر فی الصورۃ)

ترجمہ: جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت والا ہے نہ ہیئت والا۔ کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کیفیات سے پاک ہیں۔

دلیل نمبر6:

اللہ تعالیٰ چونکہ جسم سے پاک ہیں لہٰذا اعضاء سے بھی پاک ہیں۔ اس لئے کہ اعضاء ہمیشہ جسم کے ہوتے ہیں تو جب جسم ہی نہیں ہے تو اعضاء بھی نہیں ہیں۔

فائدہ نمبر1:

اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں، اس پر کئی دلائل موجود ہیں:

دلیل نمبر1: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے کیونکہ جسم ہمیشہ دو یا دو سے زائد چیزوں سے مرکب ہوتا ہے اور مرکب وہ ہوتا ہے کہ پہلے دو مفرد ہوں پھر ملیں تو مرکب بن جائے تو مرکب پہلے نہیں ہوتا بعد میں بنتا ہے جو پہلے نہ ہو اور بعد میں بنے اسے حادث کہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تو قدیم ہے حادث نہیں ہے۔

دلیل نمبر2: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اس لئے کہ جسم جتنا بھی بڑا ہو وہ ایک جگہ پر جاکر ختم ہو جاتا ہے، اس کی حد ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے، لہٰذا جسم سے پاک ہے۔

دلیل نمبر3: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اس لئے کہ جسم کی ایک خاص جہت ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ جہات سے پاک ہے تو جسم سے بھی پاک ہے۔

دلیل نمبر4: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں اس لیے کہ جسم کو خاص مکان چاہیے جبکہ اللہ تعالیٰ خاص مکان سے پاک ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

فائدہ نمبر2:

اللہ تعالیٰ خاص مکان سے پاک ہیں، اس پر کئی دلائل موجود ہیں۔

دلیل نمبر1: مکان محیط اور مکین محاط ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کو کسی خاص مکان میں مانیں تو اللہ تعالیٰ کا محاط ہونا لازم آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں۔

دلیل نمبر2: مکان بڑا مکین چھوٹا ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کو کسی خاص مکان میں مانیں تو اللہ تعالیٰ کا مکان سے چھوٹا ہونا لازم آئے گا جبکہ اللہ پاک سے بڑے ہیں۔

اشکال:

آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کیفیت سے پاک ہیں جبکہ امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (ت179ھ) اللہ تعالیٰ کی صفت استواء کے لیے کیفیت ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن ابی العز نقل کرتے ہیں کہ:

قَالَ الْإِمَامُ مَالِكٌ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - لَمَّا سُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾ كَيْفَ اسْتَوٰى؟ فَقَالَ: الْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْكَيْفُ مَجْهُوْلٌ وَالْإِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَالسُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ.

(شرح العقیدہ الطحاویہ لابن ابی العزج1ص188، الرد علی الجھمیۃ لابن مندہ: ص104)

ترجمہ: امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے جب یہ پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾ میں استواء کی کیفیت کیا ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ نے جواب دیا: استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

تو دیکھیے کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے استواء کو ثابت کر کے مجہول الکیفیت قرار دیا ہے، لہذا صفات باری کے حقیقی معنی مراد لے کر مجہول الکیفیت قرار دینا درست ہے۔

جواب:

یہ مقولہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں۔

چنانچہ شیخ عماد الدین احمد حیدر؛ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الاسماء والصفات" پر اپنی تعلیق میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا مَا يُرْوٰى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: "الْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْكَيْفِيَّةُ مَجْهُوْلَةٌ" فَهٰذَا لَمْ يَثْبُتْ عَنْ مَالِكٍ وَلَا غَيْرِهٖ مِنَ الْأَئِمَّةِ.

(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات: ج2ص151)

ترجمہ: یہ بات جو بیان کی جاتی ہے کہ "استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے" یہ امام مالک بن انس بلکہ کسی بھی امام سے ثابت نہیں۔

فائدہ:

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی رحمہ اللہ (ت 458ھ) نے "کتاب الاسماء والصفات" میں اور حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ (ت 852ھ) نے "فتح الباری شرح صحیح البخاری" میں بسند جید امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول نقل کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهْبٍ، يَقُوْلُ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدَ اللهِ! " اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" كَيْفَ اسْتِوَاؤُهٗ؟ قَالَ: فَأَطْرَقَ مَالِكٌ وَأَخَذَتْهُ الرُّحَضَاءُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ: " اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى " كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ، وَلَا يُقَالُ: كَيْفَ، وَ كَيْفٌ عَنْهُ مَرْفُوْعٌ، وَأَنْتَ رَجُلُ سُوْءٍ صَاحِبُ بِدْعَةٍ، أَخْرِجُوْهُ. قَالَ: فَأُخْرِجَ الرَّجُلُ.

(کتاب الاسماء والصفات: ج2ص150، فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج13ص498 باب وکان عرشہ علی الماء)

ترجمہ: امام عبد اللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اس نے امام مالک سے کہا: اے ابو عبد اللہ! رحمٰن عرش پر مستوی ہے، اس کا استواء کیسے ہے؟ ابن وہب فرماتے ہیں کہ امام مالک نے سر جھکا لیا اور آپ کو پسینہ آ گیا۔ پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: رحمٰن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے، یہ نہ کہا جائے کہ کیسے؟ (یعنی کیفیت کی نفی کی جائے) اور اللہ تعالیٰ سے کیفیت مرفوع ہے (یعنی کیفیت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بولا جاتا) اور تو برا اور بدعتی آدمی ہے۔ پھر حاضرین سے فرمایا: اسے نکال دو۔ چنانچہ اسے باہر نکال دیا گیا۔

اسی طرح امام ابو بکر بیہقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہما اللہ نے ولید بن مسلم کے طریق سے نقل کیا ہے:

عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ، قَالَ: سُئِلَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمَالِكٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَتْ فِي التَّشْبِيهِ فَقَالُوا: أَمِرُّوهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ.

(کتاب الاسماء والصفات: ج2 ص198، فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج13 ص498 باب وکان عرشہ علی الماء)

ترجمہ: ولید بن مسلم فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی، امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام لیث بن سعد سے ان احادیث سے متعلق سوال کیا گیا جن میں اللہ کی صفات کا بیان ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ: یہ احادیث جیسے منقول ہیں ویسے ہی کیفیت کے بغیر بیان کرو۔

تو امام مالک رحمہ اللہ سے مروی درج بالا روایات میں ”کیف“ کی باقاعدہ نفی ہے۔

مکالمہ:

ایک شخص نے میرے سامنے یہی امام مالک رحمہ اللہ کا قول پیش کر کے سوال کیا۔

میں نے پوچھا کیا تم بدعتی ہو؟

اس نے کہا نہیں۔

میں نے کہا امام مالک رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ استوا کے بارے سوال کرنا بدعت ہے یا خود کو بدعتی کہو یا سوال ہی نہ کرو!

اشکال: جب اللہ تعالیٰ مشابہاتِ مخلوق سے پاک ہیں تو قرآن و حدیث میں ایسے الفاظ کیوں استعمال کئے گئے جو انسان کو وہم میں ڈال دیتے ہیں؟

جواب: امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد تمیمی المعروف ابن الجوزی رحمہ اللہ (ت 597ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْخَلْقَ غَلَبَ عَلَيْهِمُ الْحِسُّ فَلَا يَكَادُوْنَ يَعْرِفُوْنَ غَيْرَهُ وَسَبَبُهُ الْمُجَانَسَةُ لَهُمْ فِي الْحَدِيْثِ فَعَبَدَ قَوْمٌ النُّجُوْمَ وَأَضَافُوْا إِلَيْهَا الْمَنَافِعَ وَالْمَضَارَ وعَبَدَ قَوْمٌ النُّوْرَ وَأَضَافُوْا إِلَيْهِ الْخَيْرَ وَأَضَافُوا الشَّرَّ إِلَى الظُّلْمَةِ وَعَبَدَ قَوْمٌ الْمَلَائِكَةَ وَ قَوْمٌ الشَّمْسَ و قَوْمٌ عِيْسٰى وَقَوْمٌ عُزَيْرَ وَعَبَدَ قَوْمٌ الْبَقَرَ وَالْأَكْثَرُوْنَ الْأَصْنَامَ فَآنَسَتْ نُفُوْسُهُمْ بِالْحِسِّ الْمَقْطُوْعِ بِوُجُوْدِهِ وَلِذٰلِكَ قَالَ قَوْمُ سَيِّدِنَا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ! ﴿اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا﴾ فَلَوْ جَاءَتِ الشَّرَائِعُ بِالتَّنْزِيْهِ الْمَحْضِ جَاءَتْ بِمَا يُطَابِقُ النَّفْيَ فَلَمَّا قَالُوْا: صِفْ لَنَا رَبَّكَ! نَزَلَتْ ! ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ وَلَوْ قَالَ لَهُمْ :لَيْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا طَوِيْلٍ وَلَا عَرِيْضٍ وَلَا يَشْغُلُ الْأَمْكِنَةُ وَلَا يَحْوِيْهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السِّتِّ وَلَيْسَ بِمُتَحَرِّكٍ وَلَا سَاكِنٍ وَلَا يُدْرِكُهُ الْإِحْسَاسُ لَقَالُوْا: حُدَّ لَنَا النَّفْيَ بِأَنْ تَمَيَّزَ مَا تَدْعُوْنَا إِلٰى عِبَادَتِهٖ عَنِ النَّفْيِ وَإِلَّا فَأَنْتَ تَدْعُوْ إِلٰى عَدَمٍ.

(دَفْعُ شُبَہِ التَّشْبِیْہِ لابن الجوزی: ص11)

ترجمہ: انسانی طبیعت پر محسوسات اتنے غالب ہو گئے تھے کہ لوگ محسوسات کے بغیر (اِلٰہ کو) سمجھ ہی نہ پاتے تھے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ان کی گفتگو میں اِلٰہ کا تذکرہ محسوسات کی بنا پر ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے ستاروں کی پرستش کی اور انہیں نفع و نقصان کا مالک قرار دیا۔ کچھ لوگوں نے نور کی پرستش کی اور اسے خیر کا مالک جبکہ ظلمت کو شر کا مالک قرار دیا۔ کسی نے فرشتوں کی، کسی نے سورج کی، کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی، کسی نے حضرت عُزَیر علیہ السلام کی، کسی نے گائے کی اور کئی لوگوں نے تو بتوں کی پرستش کی۔ اس لیے طبائع انسانی حسی اِلٰہ کے وجود کے ساتھ ہی مانوس ہو کر رہ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے (ان سے) کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایسا معبود بنایئے جس طرح ان لوگوں کے معبود ہیں۔ اگر شریعت میں اِلٰہ کے خواص کو تنزیہ محض کی صورت میں

بیان کیا جاتا تو صفات کو نافیہ ہی لایا جاتا۔ چنانچہ جب مشرکین نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ آپ اپنے رب کی صفات بیان کیجیے (کہ وہ کیسا ہے؟) تو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" نازل ہوئی کہ کہہ دیجیے اللہ ایک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ (صفاتِ نافیہ ذکر کرتے ہوئے) یہ فرما دیتے کہ "وہ نہ جسم ہے، نہ جوہر، نہ طویل، نہ عریض، نہ امکنہ میں اتر کر ان کو بھر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہات ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے، نہ ہی وہ متحرک ہے، نہ ساکن ہے، نہ ہی حواس کے ذریعہ اس کی حقیقت کا ادراک کیا جا سکتا ہے" تو مشرکین کہہ اٹھتے کہ آپ اس "نہ ہونے والی ذات" (مطلب کہ یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں، تو وہ نہ ہونے والی ذات ہے کیا؟) کی تعریف تو کریں تاکہ آپ صفاتِ منفیہ بیان کر کے جس ذات کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں وہ واضح تو ہو ورنہ یہ تو ایسا ہے کہ آپ ہمیں معدوم کی عبادت کی طرف بلا رہے ہیں۔

استواء علی العرش

موقف اھل السنۃ والجماعۃ:

”استواء علی العرش“ اللہ تعالیٰ کی صفت متشابہ ہے جس کے حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور قرآن مجید میں اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی رحمہ اللہ (ت458ھ) فرماتے ہیں:

فَاَمَّا الْاِسْتِوَاءُ فَالْمُتَقَدِّمُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا کَانُوْا لَا یُفَسِّرُوْنَہٗ وَلَا یَتَکَلَّمُوْنَ فِیْہِ.

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص150)

ترجمہ: رہا استواء کا عقیدہ تو ہمارے متقدمین حضرات نہ اس کی تفسیر کرتے تھے اور نہ ہی اس میں کوئی کلام فرماتے تھے۔

سوال:

متقدمین حضرات عقیدہ استویٰ علی العرش میں کلام نہیں کرتے تو پھر ہم کلام کیوں کر رہے ہیں؟ ہمارا طریقہ بظاہر متقدمین کے طرز کے خلاف ہے۔

جواب:

کلام نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ متقدمین حضرات استواء علی العرش کا معنی بیان نہیں کرتے بلکہ اسے متشابہ سمجھ کر اس کا معنی اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور جب ہم جب اس پر گفتگو کرتے ہیں تو اس کا معنیٰ بیان کرنے کے لئے نہیں کرتے بلکہ مخالفین جب اس کا معنی بیان کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم اُن کا جواب دینے کے لئے اس پر کلام کرتے ہیں۔ جس طرح متاخرین اھل السنۃ والجماعۃ نے صفات متشابہات کا معنیٰ درجہ ظن میں بیان کیا تاکہ امت کو فرقہ مجسمہ کے غلط عقیدے سے بچایا جا سکے اسی طرح ہم بھی استواء علی العرش پر گفتگو کرتے ہیں تاکہ امت کو مخالفین کے غلط عقیدے سے بچایا جا سکے۔

موقف غیر مقلدین:

استواء علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حقیقتاً فوق العرش ہونا مراد ہے۔

[1]: علامہ محمد بن خلیل ہراس (ت1975ء) لکھتے ہیں:

وَالصَّحِیْحُ فِی الْکُرْسِیِّ أَنَّہٗ غَیْرُ الْعَرْشِ، وَأَنَّہٗ مَوْضِعُ الْقَدَمَیْنِ، وَأَنَّہٗ فِی الْعَرْشِ کَحَلَقَۃٍ مُلْقَاۃٍ فِیْ فَلَاۃٍ.

(شرح العقیدۃ الواسطیۃ: ص72)

ترجمہ: صحیح بات یہ ہے کہ عرش الگ چیز کا نام ہے اور کرسی الگ چیز کا اور کرسی اللہ تعالیٰ کے قدموں کی جگہ ہے اور کرسی عرش کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے کسی میدان میں انگوٹھی رکھی ہو۔

[2]: غیر مقلد عالم طالب الرحمٰن شاہ صاحب لکھتے ہیں:

سوال: اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔

(آیئے عقیدہ سیکھئے: ص50)

[3]: غیر مقلد عالم محمد یحییٰ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے مگر معتزلہ اور ان کے ہم نوا احناف وغیرہ اللہ تعالیٰ کا مستوی علی العرش ہونا حقیقی معنوں میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ دیگر صفات کی طرح استواء کی بھی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ استواء کا معنی؛ استیلاء یعنی غلبہ ہے۔

(عقیدہ مسلم از محمد یحییٰ گوندلوی: ص220)

معیتِ ذاتیہ ووصفیہ

موقف اھل السنۃ والجماعۃ:

اللہ تعالیٰ بغیر جسم، بغیر مکان، بغیر جہت اور بغیر کیفیت کے ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ موجود ہے۔

[1]: امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی الحنفی رحمہ اللہ (ت 321ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَرْشِ وَمَا دُوْنَهٗ مُحِيْطٌ بِكُلِّ شَيْءٍ وَبِمَا فَوْقَهٗ وَقَدْ أَعْجَزَ عَنِ الْإِحَاطَةِ خَلْقَهٗ.

ترجمہ: اللہ رب العزت عرش اور غیر عرش سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اور جو اس چیز کے اوپر ہے اس کا احاطہ کرنے والا ہے اور اس نے مخلوق کو اپنے احاطہ کرنے سے عاجز کر دیا ہے۔

جسم کو رہنے کے لیے مکان کی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہے اس لیے اسے کسی مکان کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا عرش اور غیر عرش سے بے نیاز ہے۔ قرآن کریم میں ”ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ“ کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو عرش کی ضرورت ہے یا عرش اللہ تعالیٰ کا مکان ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض احاطہ ذاتی، قرب ذاتی اور معیت ذاتیہ کو ثابت کرنا ہے۔ عبارت میں ”مُسْتَغْنٍ“ ھو ضمیر کی خبر اول ہے۔ اور ”مُحِيْطٌ“ خبر ثانی ہے۔ دونوں کا تعلق ”هُوَ“ کے ساتھ ہے اور ”هُوَ“ سے مراد ذات ہے۔ لہٰذا جس طرح ذات باری تعالیٰ عرش اور غیر عرش سے مستغنی ہے اسی طرح وہی ذات تمام اشیاء کو محیط بھی ہے۔

(شرح عقیدۃ طحاویۃ از متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن: ص90)

[2]: امام ابو القاسم سلمان بن ناصر الانصاری الاصبہانی رحمہ اللہ (ت 512ھ) فرماتے ہیں:

ولَمَّا كَانَ الرَّبُّ سُبْحَانَهٗ أَعْظَمَ مِنْ كُلِّ عَظِيْمٍ جَازَ أَنْ يَكُوْنَ فِيْ جَمِيْعِ الْأَمَاكِنِ وَنَحْنُ لَمَّا جَعَلْنَا عَظَمَتَهٗ مِنْ طَرِيْقِ الرُّتْبَةِ والمنزلةِ جَعَلْنَا رُتْبَتَهٗ فَوْقَ كُلِّ رُتْبَةٍ فِيْ صِفَاتِ الْمَدْحِ وَلَوْ كَانَ سُبْحَانَهٗ مُخْتَصًّا بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ لَكَانَ صَغِيْرًا.

(الغنیۃ فی الکلام ج1 ص389)

ترجمہ: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات تمام چیزوں سے بڑی ہے تو ممکن ہے کہ وہ ذات تمام مکانات میں موجود ہو اور ہم اللہ تعالیٰ کی عظمت کو مقام و مرتبہ کے اعتبار سے جانتے ہیں تو اس کا مقام و مرتبہ مدح کی صفات میں سے بلند ترین ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک ہی جہت میں مختص کیا جائے تو یہ ان کا مرتبہ کم کرنے والی بات ہے۔

[3]: علامہ ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر شیرازی البیضاوی رحمہ اللہ (ت 685ھ) فرماتے ہیں:

تَجَوُّزٌ بِقُرْبِ الذَّاتِ لِقُرْبِ الْعِلْمِ لِأَنَّهٗ مُوْجِبُهٗ.

(تفسیر البیضاوی: ج2 ص422، تفسیر سورۃ ق آیت 16 وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ)

ترجمہ: اس مقام پر قرب علمی کی وجہ سے قرب ذاتی مراد لینا بھی درست ہے کیونکہ قرب علمی کو قرب ذاتی لازم ہے۔

[4]: علامہ علی بن احمد بن ابراہیم المہایمی الہندی رحمہ اللہ (ت 835ھ) فرماتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ﴾ لَا بِالْمَكَانِ وَلَا بِالزَّمَانِ وَلَا بِالرُّتْبَةِ بَلْ بِالذَّاتِ مِنْ غَيْرِ اخْتِلَاطٍ وَلَا حُلُوْلٍ وَلَا اتِّحَادٍ.

(تفسیر تبصیر الرحمٰن: ج2 ص293، تفسیر سورۃ ق آیت 16 وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ)

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} اللہ کا یہ قرب مکان، زمان اور رتبہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ ذات کے اعتبار سے ہے لیکن اختلاط، حلول اور اتحاد کے بغیر ہے۔

[5]: شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ (ت 1034ھ) فرماتے ہیں:

”اور یہ بھی مناسب نہیں کہ حق تعالیٰ کو عرش کے اوپر جانیں اور فوق کی طرف ثابت کریں کیونکہ عرش اور اس کے ماسوا سب کچھ حادث اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ مخلوق وحادث کی کیا مجال ہے کہ خالق قدیم کا مکان اور جائے قرار بن سکے۔“

(مکتوبات امام ربانی: ج2 ص225)

[6]: علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الفاسی رحمہ اللہ (ت 1224ھ) فرماتے ہیں:

بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْإِحَاطَةِ الذَّاتِيَّةِ.

(البحر المدید: ج7 ص309، تفسیر سورۃ الحدید آیت 4 وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ)

ترجمہ: {تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے} یعنی اپنے علم، قدرت اور احاطہ ذاتی کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے۔

علامہ الفاسی مزید لکھتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ بِذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ عَلَى مَا يَلِيْقُ بِجَلَالِ قُدْسِهِ وَكَمَالِ كِبْرِيَائِهِ ؛ إِذِ الصِّفَةُ لَا تُفَارِقُ الْمَوْصُوْفَ فَإِذَا كَانَتِ الْمَعِيَّةُ بِالْعِلْمِ لَزِمَ أَنْ تَكُوْنَ بِالذَّاتِ، فَافْهَمْ، وَسَلِّمْ إِنْ لَمْ تَذُقْ.

(البحر المدید: ج7 ص311)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو اللہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے جیسا کہ اس کی عظمتِ شان اور کمال کبریائی کے لائق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت موصوف سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ جب اللہ کی معیت علم کے ساتھ ہو تو ذات کے اعتبار سے معیت ضرور ہو گی۔ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے اور اگر ذوق (سلیم) نہ ہو تو (خدا کے) سپرد کر دیجیے!

علامہ فاسی آیت ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (سورۃ ق:16) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ أَيْ: أَنَا أَقْرَبُ إِلَى كُلِّ أَحَدٍ مِنْ عُرُوْقِ قَلْبِهِ، وَهٰذَا لِأَنَّ قِيَامَ الْفِعْلِ بِالصِّفَاتِ، وَالصِّفَاتُ لَا تُفَارِقُ الذَّاتَ، فَالْقُرْبُ بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ، وَتَسْتَلْزِمُ الْقُرْبَ بِالذَّاتِ.

(البحر المدید: ج7 ص177)

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} یعنی میں (اللہ) ہر شخص کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل (یعنی قریب ہونے) کا قیام صفات کے ذریعے ہوتا ہے اور صفات ؛ ذات سے جدا نہیں ہوتیں۔ تو یہاں جو قرب ہے وہ علم اور قدرت (صفات) کے اعتبار سے ہے جو قرب ذاتی کو مستلزم ہے۔

[7]: قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (ت 1225ھ) فرماتے ہیں:

فَاللّٰهُ مَعَهُمْ بِالْوِلَايَةِ وَالْفَضْلِ وَالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَمَعِيَّةٌ ذَاتِيَّةٌ لَا كَيْفَ لَهَا.

(التفسیر المظہری ج5 ص392، تفسیر سورۃ النحل آیت 128 إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دوستی، فضل وکرم، مدد ونصرت کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے اور یہ معیت ذاتی ہے جس کی کوئی کیفیت نہیں۔

[8]: قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ (ت 1323ھ) فرماتے ہیں:

”حق تعالیٰ باوجود وراء الوراء کے قریب عبد کے ہے ﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ ایسے تشاویش کی ضرورت نہیں اور ” مَعَكُمْ “ علم سے معیت تعبیر کرنا کچھ حاجت نہیں ”هُوَ“ ضمیر ذات ہے جہاں علم وہاں ذات۔ پس تکلف کی کیا حاجت ہے؟ حق تعالیٰ فوق، تحت سے بری ہے۔ فوق اور تحت اور ہر جا موجود ہے عروج روح وقلب کا فوق کی جانب اس خیال سے نہیں ہے کہ حق تعالیٰ فوق العرش ہے۔ نہیں سب جگہ ہے قلب مومن کے اندر بھی ہے پس فوق کا خیال مت کرو۔“

(مکاتیب رشیدیہ ص42)

[9]: حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) فرماتے ہیں:

”اس میں دلیل ہے قولِ صوفیہ کی کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کو ذاتاً محیط ہے بدون اتصال اور کسی کیفیت کے نہ محض علم ہی سے محیط ہے۔“

(تفسیر بیان القرآن: ج1 ص22 تفسیر سورۃ البقرۃ آیت: 19 وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكَافِرِيْنَ)

سوال وجواب:

مسئلہ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ وَقَالَ: وَهُوَ مَعَكُمْ الآية فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ اِنَّ الْقُرْبَ بِاعْتِبَارِ الذَّاتِ وَالْوَصْفِ وَيَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ اِنَّ الْقُرْبَ بِحَسْبِ الْوَصْفِ فَقَطْ، فَاَيُّ الْحِزْبَيْنِ عَلَى الصَّوَابِ وَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ عَلَى الْحَقِّ؛ وَاِنْ كَانَ اللّٰهُ قَرِيْبًا بِالذَّاتِ؛ هَلْ يَقْرُبُ مَعَ كَوْنِ اسْتِوَائِهٖ عَلَى الْعَرْشِ اَمْ لَا؛ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ بِالْقُرْبِ الْوَصْفِيِّ يَدَّعُوْنَ بِالْقَائِلِيْنَ بِالْقُرْبِ الذَّاتِيِّ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِقَوْلِهِمْ بِالْقُرْبِ الذَّاتِيِّ. هَلْ يَجُوْزُ نِسْبَةُ الْكُفْرِ اِلٰى مَنْ قَالَ اِنَّ الْقُرْبَ ذَاتِيٌّ اَمْ لَا؟

الجواب: لَمَّا كَانَ الْمُتَبَادَرُ عِنْدَ الْعَامَّةِ مِنَ الْمَعِيَّةِ الذَّاتِيَّةِ هِيَ الْمَعِيَّةُ الْجِسْمَانِيَّةُ اَبْطَلَهَا الْعُلَمَآءُ وَ كَفَّرَ بَعْضُهُمُ الْقَائِلِيْنَ بِهَا، وَلَوْ اُرِيْدَ بِهَا الْمَعِيَّةُ غَيْرُ الْمُتَكَيِّفَةِ فَلَا مَحْذُوْرَ فِي الْقَوْلِ بِهَا، وَالْاِمْتِنَاعَ فِي اجْتِمَاعِهَا بِالْاِسْتِوَاءِ لِاَنَّ الذَّاتَ لَيْسَتْ بِمُتَنَاهِيَةٍ وَالْمَعِيَّةُ لَيْسَتْ بِمُتَكَيِّفَةٍ، وَمَنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى اعْتِقَادِهَا بِلَا كَيْفِيَةٍ فَالْاَسْلَمُ لَهُ اَنْ يَّقُوْلَ بِالْمَعِيَّةِ الْوَصْفِيَّةِ (اى العلميةِ) فَقَطْ. وَبِهٰذَا التَّقْرِيْرِ خَرَجَ الْجَوَابُ مِنْ كُلِّ سُوَالٍ وَارْتَفَعَ كُلُّ اِشْكَالٍ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَبِيْرِ الْمُتَعَالِ عَنْ كُلِّ مَكَانٍ وَخَيَالٍ.

(بوادر النوادر للتھانوی: ص50، 51)

ترجمہ: مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ قرب فقط وصف کے اعتبار سے ہے۔ ان میں سے کس کا موقف درست ہے اور کون حق پر ہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ بالذات قریب ہو تو کیا عرش پر مستوی ہوتے ہوئے قریب ہو گا یا نہیں؟ پھر جو لوگ قربِ وصفی کے قائل ہیں وہ قرب ذاتی کے قائلین کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ

قربِ ذاتی کے قول کی وجہ سے کافر ہیں۔ تو جس شخص نے کہا کہ قرب ذاتی ہے 'کیا اس شخص کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ "معیت ذاتیہ" کہنے سے عوام کا ذہن فوراً "معیتِ جسمانیہ" کی طرف جاتا ہے اس لیے علماء نے اس کا انکار کر دیا اور بعض علماء نے معیتِ ذاتیہ کے قائلین کو کافر تک کہہ دیا اور اگر معیت ذاتیہ کا معنیٰ "معیت بغیر کیفیت" کیا جائے تو اس نظریہ کا قائل ہونے میں کوئی حرج بھی نہیں 'اور معیتِ ذاتیہ بلا کیفیت کو استواء (علی العرش) کے ساتھ جمع کرنا ممتنع بھی نہیں ہے، اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ متناہی نہیں اور معیت متکیفہ نہیں، اور جو شخص معیت بلا کیفیت کے اعتقاد پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ معیتِ وصفیہ یعنی علمیہ کا قائل ہو جائے۔ اس تقریر سے سارے سوال ختم ہو گئے اور سارے اشکالات حل ہو گئے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بڑا ہے اور ہر مکان اور خیال سے پاک ہیں۔

فائدہ:

"وَمَنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى اعْتِقَادِهَا" کہنے سے معلوم ہوا کہ اصل عقیدہ معیتِ ذاتیہ کا ہے، معیتِ وصفیہ کا عقیدہ اس حالت میں ہے جب معیتِ ذاتیہ کا اعتقاد رکھنے پر قدرت نہ ہو۔ جیسے ایک شخص وضو پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے تیمم کا حکم ہے اور جو شخص قیام پر قادر نہ ہو تو اسے حکم ہے کہ نماز بیٹھ کر پڑھے۔ تو اصل وضو اور قیام ہی ہے۔ اسی طرح معیت کے باب میں اصل اعتقاد معیتِ ذاتیہ ہی ہے۔

[10]: فاضل دار العلوم دیوبند مولانا عبد الحق حقانی رحمہ اللہ (ت 1409ھ بانی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے لیے کائنات کے ساتھ معیت ذاتی و علمی ماننے میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ معیت علمی سے خود معیت ذاتی متحقق ہو جاتی ہے۔"

(فتاویٰ حقانیہ: ج2 ص270)

[11]: مفتی اعظم ہند مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ (ت 1417ھ) فرماتے ہیں:

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، ہر صغیر و کبیر کا عالم ہے، کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں، نصوصِ صریحہ اور دلائل قطعیہ سے اس کا ثبوت ہے: قال تعالیٰ: ﴿وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ وَ لَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے لیے دوسری اشیاء کی طرح کوئی مخصوص مکان محیط نہیں، کیونکہ وہ مکانی نہیں بلکہ واجب اور قدیم ہے اور مکان و زمان وغیرہ حادث اور اس کی پیدا کی ہوئی ہیں، پھر کوئی مکان وغیرہ کیسے محیط ہو سکتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج1 ص245)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"خدا ہر جگہ موجود ہے۔"

(ملفوظات فقیہ الامت: ج2 ص14)

[12]: عارف باللہ مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ (ت 1434ھ) فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ جہاں بھی تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اتنی عظیم الشان والا ہمارے، آپ کے حجروں اور کمروں میں ساتھ ہے، کوٹھڑیوں میں ساتھ ہے، لیکن انسان کی فطرت دیکھیے کہ چند انسان اس کو دیکھ رہے ہوں تو وہاں گناہ سے بچتا ہے اور پھر گناہ کے لیے تنہائی تلاش کرتا ہے، راستے بند کرتا ہے، دروازے بند کرتا ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے لیکن وہ ذات

پاک جو مخلوق سے بے شمار گنا عظیم الشان اور عظیم القدرۃ ہے وہ وہیں ساتھ میں ہے، ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾

(اہل اللہ اور صراط مستقیم، سلسلہ مواعظ حسنہ نمبر 21، ص 11، 12)

[13، 14]: مجاہد ختم نبوت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ ت 1971ء، رئیس المناظرین مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ ت 1421ھ کا واقعہ

رئیس المناظرین مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ فرماتے تھے شیخوپورہ میں ختم نبوت کا جلسہ تھا۔ تو ایک شخص نے مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ سے دوران تقریر پوچھا کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر اور ناظر ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا: اگر یہاں شیخوپورہ میں ایک پلاٹ ہو تو آپ اس میں آپ علیہ السلام کا گھر بنالو، حضرت امی عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ بنالو! اس نے کہا: وہ یہاں کیسے بنا سکتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: پھر یہاں مسجد بنالو، مسجد بنا سکتے ہو؟ اس نے کہا: جی بنا سکتے ہیں۔ فرمایا: بس یہی فرق ہے، اللہ تعالیٰ چونکہ ہر جگہ ہے تو ان کا گھر بھی ہر جگہ بن سکتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہیں تو آپ کا گھر بھی ہر جگہ نہیں بن سکتا۔

[15]: فاضل دار العلوم دیوبند مفسر قرآن مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ (ت 1424ھ) فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ وجود اور ذات کے اعتبار سے قریب ہے، علم اور قدرت کے اعتبار سے بھی خدا تعالیٰ قریب ہے۔"

(معالم العرفان فی دروس القرآن: ج 3 ص 200 تفسیر سورۃ البقرۃ: 186 وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ)

[16]: فاضل دار العلوم دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ (ت 1430ھ) فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، ایسا نہیں ہے کہ عرش پر ہے اور ساتھ نہیں ہے، وہ ہر ایک کے ساتھ ہے، علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، ذات کے لحاظ سے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

(تفسیر ذخیرۃ الجنان: ج 4 ص 239 تفسیر سورۃ النساء: 108 يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ)

[17]: مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ (ت 1432ھ رئیس دار الافتاء دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) فرماتے ہیں:

"معیت علمی اور معیت ذاتی کما یلیق بشانہ تعالیٰ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔"

(فتاویٰ فریدیہ: ج 1 ص 392)

[18]: مفتی محمد زرولی خان رحمہ اللہ (ت 1442ھ) کا حوالہ:

آپ رحمہ اللہ ایک کلپ میں اللہ پاک کے ہر جگہ موجود ہونے کو بیان فرماتے ہیں۔

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف عرش معلی پر موجود ہے اور جو لوگ کہتے ہیں ہر جگہ موجود ہے یہ سب غلط باتیں ہیں۔

جواب: اللہ رب العالمین تو کہتے ہی اسی کو ہیں جو ہر جگہ ہے۔ اب یہ کہ بوجودہ ہے یا بقدرتہ وعلمہ ہے؟ یہ اختلاف متکلمین میں ہے۔ راجح بات یہی ہے کہ اللہ کا وجود ہر جگہ مسلمہ ہے۔

بیان کا لنک یہ ہے

"https://www.youtube.com/hashtag/marnekebaadkoigharaasaktahe"

[19]: مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ (ت 1444ھ سابق رئیس دار العلوم کراچی) فرماتے ہیں:

"اللہ رب العزت کی ذات تو ایسی عظیم ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ کسی خاص مقام تک محدود نہیں ہے، کعبہ

بیت اللہ ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر موجود ہے اس کے سوا کہیں اور موجود نہیں، ایسا نہیں بلکہ وہ تو ہر جگہ ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا: ﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ یعنی تم جہاں بھی ہوتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، اس وقت بھی ساتھ ہے، تمہارے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی۔ اور قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (سورۃ ق، آیت نمبر ۱۶) اور ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

انسان کی شہ رگ کتنی قریب ہوتی ہے، جسم کا حصہ ہے لیکن فرمایا کہ ہم ہر انسان کے اس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تو اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس تو لا محدود ہے وہ کسی خاص مکان کے ساتھ محدود نہیں ہے، کسی خاص مکان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ چنانچہ عرش پر بھی ہے، آپ کے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی، ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر جگہ ہے۔ مدینہ میں بھی ہے اور مکہ میں بھی۔ ہر آسمان پر ہے، عرش پر بھی ہے اور کرسی پر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے۔

(ماہنامہ البلاغ: ربیع الاول ۱۴۳۴ھ / فروری ۲۰۱۴ء ص 21 خطاب مولانا محمد رفیع عثمانی)

[20]: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

"مشرق و مغرب سب اللہ کی مخلوق اور اس کی تابع فرمان ہیں، اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دے بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔"

(آسان ترجمہ: ج 1 ص 90 سورۃ البقرہ آیت 115)

[21]: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی سے جاری ہونے والا فتویٰ

"س: عقائد کی اصلاح اور تعلیم کے لیے رہنمائی فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

ج: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے، کسی خاص مکان یا جگہ کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں ہے۔"

نوٹ: یہ فتویٰ ان کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔

فائدہ نمبر 1: اگر کوئی شخص سوال کرے "اَيْنَ اللّٰهُ؟" (اللہ کہاں ہے؟) تو اس کا جواب یہ دینا چاہیے: "هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا جِسْمٍ وَّ مَكَانٍ وَّ جِهَةٍ" کہ اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے۔ یہ اھل السنت والجماعت کا موقف و نظریہ ہے جس پر دلائلِ نقلیہ وعقلیہ موجود ہیں۔

فائدہ نمبر 2: "هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا جِسْمٍ وَّ مَكَانٍ وَّ جِهَةٍ" یہ تعبیر اہل علم حضرات کی ہے، اسی لیے طلباء وعلماء کو سمجھانے کے لیے "اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے" کہہ دیا جاتا ہے۔ عوام الناس چونکہ ان اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے اس لیے اس عقیدہ کو عوامی ذہن کے پیش نظر "اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے" یا "اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 3: موجود بلا مکان اور موجود فی کل مکان میں فرق سمجھیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو موجود بلا مکان یعنی ہر جگہ موجود کہتے ہیں، موجود فی کل مکان یعنی ہر جگہ میں موجود نہیں کہتے۔ ہماری تعبیر موجود بلا مکان کی ہے، موجود فی کل مکان کی نہیں۔ اشکالات موجود فی کل مکان پر لازم آتے ہیں، موجود بلا مکان پر لازم نہیں آتے۔

فائدہ نمبر 4: جب ہم کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے" تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب جگہ نہیں تھی اللہ تعالیٰ اس وقت بھی

موجود تھے اور جب جگہ ہے اللہ تعالیٰ اب بھی موجود ہیں اور جب جگہ نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ تب بھی موجود ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جگہ پر نہیں ہے بلکہ فوق، تحت، قدام، خلف، یمین، شمال، عرش، فرش، سماء، ارض، مکان، خلاء حتیٰ کہ کوئی ذرہ ایسا نہیں جہاں اللہ پاک موجود نہ ہوں۔ اس وضاحت کو سامنے رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے مکان میں ہونے پر اعتراضات کبھی نہیں ہوں گے اس لیے کہ اعتراضات تب ہوں گے جب اللہ تعالیٰ کو کسی خاص مکان میں مانیں ہم تو اللہ تعالیٰ کو بغیر خاص مکان کے مانتے ہیں کہ جب مکانات نہیں تھے تب بھی تھے جب مکانات ہیں اب بھی ہیں اور جب مکانات نہیں ہوں گے اللہ تعالیٰ تب بھی ہوں گے۔

فائدہ نمبر 5: اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے، اور یہ موجود ہونا بغیر کیفیت کے ہے۔

فائدہ نمبر 6: عوامی ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے جو تعبیر اختیار کی ہے کہ "اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے" یہ تعبیر بظاہر اصل سے ہٹ کر ہے لیکن ایسی تعبیرات اختیار کرنا شریعت کے مخالف نہیں بلکہ ثابت ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (ت 1176ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الشَّارِعَ لَمْ يُخَاطِبْهُمْ إِلَّا عَلَى مِيزَانِ الْعَقْلِ الْمُوَدَّعِ فِي أَصْلِ خِلْقَتِهِمْ قَبْلَ أَنْ يَتَعَانَوْا دَقَائِقَ الْحِكْمَةِ وَالْكَلَامِ وَالْأُصُوْلِ، فَأَثْبَتَ لِنَفْسِهِ جِهَةً فَقَالَ: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾

(حجۃ اللہ البالغۃ: باب التیسیر)

ترجمہ: اصول، حکمت اور علم الکلام میں غور و فکر کرنے سے پہلے فطری طور پر جو لوگوں کو عقل دی گئی تھی شارع نے لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات فرمائی ہے چنانچہ اللہ پاک نے اپنی ذات کے لئے جہت ثابت کرتے ہوئے "الرحمٰن علی العرش استوی" فرمایا۔

یعنی اللہ پاک خاص جہت سے پاک ہیں لیکن انسانی عقل کے مطابق استوا علی العرش کی بات فرمائی ہے۔

اور یہی طرز قرآن و سنت میں بھی موجود ہے مثلاً

1: قرآن مجید میں جنت کے بارے ارشاد ہے:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾

(سورۃ آل عمران: 133)

ترجمہ: اپنی رب سے مغفرت طلب کرنے کے لئے اور اس جنت کی طرف جانے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو جس کی چوڑائی آسمان و زمین جتنی ہے۔

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ (ت 1976ء) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"انسان کے دماغ میں آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ اور کوئی وسعت آ ہی نہیں سکتی اس لئے سمجھانے کے لئے جنت کے عرض کو اس سے تشبیہ دی، گویا بتلادیا کہ جنت بہت وسیع ہے اس کے عرض میں سارے زمین و آسمان سما سکتے ہیں۔"

(معارف القرآن ج2 ص183، 182)

2: امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ.

(سنن ابن ماجۃ: باب القبلۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

تنبیہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم مدینہ منورہ والوں کے لیے بیان فرمایا کیونکہ ان کا قبلہ جنوب کو پڑتا ہے تو مشرق اور مغرب کے درمیان جنوب ہو گا۔

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ

دلیل نمبر 1:

﴿وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾

(سورۃ البقرۃ:19)

ترجمہ: اور اللہ کافروں کا احاطہ کرنے والے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اس میں دلیل ہے قولِ صوفیہ کی کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کو ذاتاً محیط ہے بدون اتصال اور کسی کیفیت کے نہ محض علم ہی سے محیط ہے۔“

(تفسیر بیان القرآن: ج1 ص22 تحت سورۃ البقرۃ:19)

دلیل نمبر 2:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ﴾

(سورۃ البقرۃ:115)

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”مشرق و مغرب سب اللہ کی مخلوق اور اس کی تابع فرمان ہیں، اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دے بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔“

(آسان ترجمہ: ج1 ص90 تحت سورۃ البقرہ آیت 115)

دلیل نمبر 3:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ﴾

(سورۃ البقرۃ:186)

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں۔

فاضل دار العلوم دیوبند مفسر قرآن مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ (ت 1424ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ وجود اور ذات کے اعتبار سے قریب ہے، علم اور قدرت کے اعتبار سے بھی خدا تعالیٰ قریب ہے۔“

(معالم العرفان فی دروس القرآن: ج3 ص200)

سوال:

یہاں قرب سے مراد قرب علمی ہے نہ کہ قرب ذاتی۔

جواب نمبر1:

سوال ذات کے بارے میں ہے نہ کہ علم اور قدرت کے بارے میں۔ اگر قرب ذاتی مراد لیں توجواب سوال کے مطابق ہو گا اور اگر علم مراد لیں توجواب سوال کے مطابق نہیں ہو گا۔

جواب نمبر2:

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں تلازم ہے جہاں ذات ہے وہاں صفت، جہاں صفت ہے وہاں ذات جب قرب علمی ہو گا تو قرب ذاتی ضرور ہو گا۔

دلیل نمبر4:

﴿يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ﴾

(سورۃ النساء:108)

ترجمہ: یہ لوگوں سے [اپنی دغابازیاں] چھپاسکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپاسکتے! وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے مشورے کر رہے ہوتے ہیں۔

فاضل دار العلوم دیوبند امام اھل السنۃ والجماعۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ (ت1430ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، ایسا نہیں ہے کہ عرش پر ہے اور ساتھ نہیں ہے، وہ ہر ایک کے ساتھ ہے، علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، ذات کے لحاظ سے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

(تفسیر ذخیرۃ الجنان: ج4ص239 تحت سورۃ النساء:108)

دلیل نمبر5

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (٤)﴾

(سورۃ الحدید:4)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو، وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الفاسی رحمہ اللہ (ت1224ھ) اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْإِحَاطَةِ الذَّاتِيَّةِ.

(البحر المَدِید: ج7ص309 تحت سورہ حدید:4)

ترجمہ: {تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے} یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم، قدرت اور احاطہ ذاتی کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے۔

دلیل نمبر6:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (١٢٨)﴾

(سورۃ النحل:128)

ترجمہ: بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور نیکی کرنے والے ہیں۔

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (ت 1225ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فَاللّٰہُ مَعَھُمْ بِالْوِلَایَۃِ وَالْفَضْلِ وَالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَمَعِیَّۃٌ ذَاتِیَّۃٌ لَا کَیْفَ لَھَا .

(التفسیر المظہری: ج5 ص392)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دوستی، فضل و کرم، مدد و نصرت کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے اور یہ معیت ذاتی ہے جس کی کوئی کیفیت نہیں۔

دلیل نمبر7:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾

(سورۃ الواقعۃ:85)

ترجمہ: تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ (ت 1396ھ) لکھتے ہیں:

یہاں "نَحْنُ" (ہم) سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔

(معارف القرآن: ج8 ص288)

دلیل نمبر8:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾

(سورۃ ق:16)

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

علامہ ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر شیرازی البیضاوی رحمہ اللہ (ت 685ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تَجُوْزُ بِقُرْبِ الذَّاتِ لِقُرْبِ الْعِلْمِ لِأَنَّہٗ مُوْجِبُہٗ .

(تفسیر البیضاوی: ج2 ص422)

ترجمہ: اس مقام پر قرب علمی کی وجہ سے قرب ذاتی مراد لینا بھی درست ہے کیونکہ قرب علمی کو قرب ذاتی لازم ہے۔

علامہ علی بن احمد بن ابراہیم المہایمی الہندی رحمہ اللہ (ت 835ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ اِلَیْہِ﴾ لَا بِالْمَکَانِ وَلَا بِالزَّمَانِ وَلَا بِالرُّتْبَۃِ بَلْ بِالذَّاتِ مِنْ غَیْرِ اخْتِلَاطٍ وَلَا حُلُوْلٍ وَلَا اتِّحَادٍ.

(تفسیر تبصیر الرحمٰن: ج2 ص293)

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} اللہ کا یہ قرب مکان، زمان اور رتبہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ ذات کے اعتبار سے ہے لیکن یہ قرب اختلاط، حلول اور اتحاد کے بغیر ہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الفاسی رحمہ اللہ (ت 1224ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ أَیْ: أَنَا أَقْرَبُ إِلٰی کُلِّ أَحَدٍ مِنْ عُرُوْقِ قَلْبِہٖ، وَھٰذَا لِأَنَّ قِیَامَ الْفِعْلِ بِالصِّفَاتِ ،وَالصِّفَاتُ لَا تُفَارِقُ الذَّاتَ، فَالْقُرْبُ بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَۃِ، وَتَسْتَلْزِمُ الْقُرْبَ بِالذَّاتِ .

(البحر المدید: ج7ص177)

ترجمہ: یعنی میں (اللہ) ہر شخص کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل (یعنی قریب ہونے) کا قیام صفات کے ذریعے ہوتا ہے اور صفات؛ ذات سے جدا نہیں ہوتیں۔ تو یہاں جو قرب ہے وہ علم اور قدرت (صفات) کے اعتبار سے ہے جو قرب ذاتی کو مستلزم ہے۔

دلیل نمبر 9:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

(سورۃ الحدید: 4)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو، وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الفاسی رحمہ اللہ (ت 1224ھ) اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْإِحَاطَةِ الذَّاتِيَّةِ.

(البحر المَدِید: ج7ص309)

ترجمہ: {تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے} یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم، قدرت اور احاطہ ذاتی کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے۔

علامہ الفاسی مزید لکھتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ بِذَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ عَلٰى مَا يَلِيْقُ بِجَلَالِ قُدْسِهٖ وَكَمَالِ كِبْرِيَائِهٖ ، إِذِ الصِّفَةُ لَا تُفَارِقُ الْمَوْصُوْفَ فَإِذَا كَانَتِ الْمَعِيَّةُ بِالْعِلْمِ لَزِمَ أَنْ تَكُوْنَ بِالذَّاتِ، فَافْهَمْ، وَسَلِّمْ إِنْ لَمْ تَذُقْ.

(البحر المدید: ج7ص311)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو اللہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے جیسا کہ اس کی عظمتِ شان اور کمال کبریائی کے لائق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت موصوف سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ جب اللہ کی معیت علم کے ساتھ ہو تو ذات کے اعتبار سے معیت ضرور ہوگی۔ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے اور اگر ذوق (سلیم) نہ ہو تو (خدا کے) سپرد کر دیجیے!

فائدہ: ”ھو“ ضمیر ”ذات“ کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اس سے معیتِ ذاتی ثابت ہو رہی ہے۔ ”ھو“ ضمیر سے اگر علم مراد لیا جائے تو یہ تاویل ہے۔ لہذا ”ھو“ سے بلا تاویل معیت ذاتیہ ہی مراد ہے۔

دلیل نمبر 10:

﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾

(سورۃ المجادلۃ: 7)

ترجمہ: کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (اللہ) نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (ت 1225ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَللہُ تَعَالٰی جَاعِلُھُمْ اَرْبَعَۃً مِنْ حَیْثُ اَنَّہٗ مَعَھُمْ مَعِیَّۃً غَیْرَ مُتَکَیِّفَۃٍ.

(التفسیر المظہری: تفسیر سورۃ المجادلۃ آیت 7مَایَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ)

ترجمہ: (جب وہ تین ہوں تو) اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو کر ان کو چار بنا دیتا ہے (اور اللہ تعالیٰ کی) یہ معیت بے کیفیت ہوتی ہے۔

فاضل دار العلوم دیوبند امام اھل السنۃ والجماعۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ (ت1430ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی معیت کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ ہے اس کے ظاہر پر ایمان رکھنا چاہیے اور معیت کی کیفیت پر غور و غوص نہیں کرنا چاہیے اور نظریہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ ہے کَمَا یَلِیْقُ بِشَأْنِہٖ جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

(تفسیر ذخیرۃ الجنان: ج20 ص35،36 سورۃ المجادلۃ آیت 7مَایَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ)

فائدہ: "ھو" ضمیر "ذات" کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ "ھُوَ رَابِعُھُمْ"، "ھُوَ سَادِسُھُمْ" اور "ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا" کے الفاظ سے بلا تاویل معیتِ ذاتی ثابت ہو رہی ہے۔

دلیل نمبر 11:

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اسْتَوٰی عَلٰی بَعِیْرِہٖ خَارِجًا اِلٰی سَفَرٍ کَبَّرَ ثَلَاثًا قَالَ: "سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ، اَللّٰھُمَّ نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی، اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَنَا، اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ."

(صحیح مسلم: ج1 ص434 باب استحباب الذکر اذا رکب دابۃ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں سفر پر جانے کے لیے اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر یہ دعا پڑھتے: پاک ہے وہ پروردگار جس نے اس جانور (سواری) کو ہمارے تابع کر دیا اور ہم اس کو دبا نہ سکتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جانے والے ہیں۔ یا اللہ! ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی، پرہیز گاری اور ایسے کام جسے تو پسند کرے، کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی لمبان کو ہم پر تھوڑا کر دے۔ یا اللہ! تو رفیق ہے سفر میں اور محافظ ہے گھر میں۔

فائدہ:

"اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ" ہمارا مستدل ہے۔ "انت" ضمیر ذات کے لیے ہے۔ لہٰذا اس سے بلا تاویل معیت ذاتیہ ہی مراد ہے۔

دلیل نمبر 12:

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) اور امام ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان التمیمی رحمہ اللہ (ت354ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "اِنَّ اللہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ: یَا ابْنَ آدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ! قَالَ: یَارَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ قَالَ: "اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ! اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْعُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَهٗ!"

(صحیح مسلم ج2ص318باب فضل عیادۃ المریض، صحیح ابن حبان ص189، رقم الحدیث269)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار تھا تونے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ بندہ کہے گا میں آپ کی بیمار پرسی عیادت کیسے کرتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ تو اللہ فرمائیں گے کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا' تونے اس کی بیمار پرسی نہیں کی۔ تجھے پتا ہے کہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے وہاں پاتا۔

فائدہ:

"لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَهٗ" ہمارا مستدل ہے۔ "ی" ضمیر ذات کے لیے ہے۔ لہذا اس سے بلا تاویل معیت ذاتیہ ہی مراد ہے۔

دلیل نمبر13:

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمہ اللہ (ت279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ."

(جامع الترمذی: ج2ص14 باب ماجاء فی رحمۃ الناس)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رحم کرنے والے پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔

فائدہ:

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بتلایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر بھی ہے۔

دلیل نمبر14:

امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (ت275ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: "مَنِ اشْتَکٰی مِنْکُمْ شَیْئًا اَوِ اشْتَکَاهُ اَخٌ لَّهٗ فَلْیَقُلْ: رَبُّنَا اللہُ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ، تَقَدَّسَ اسْمُكَ، اَمْرُكَ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ کَمَا رَحْمَتُكَ فِی السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِی الْاَرْضِ، اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَایَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ، اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلٰی هٰذَا الْوَجْعِ فَیَبْرَاُ."

(سنن ابی داؤد: ج2ص187 باب کیف الرقی)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے: تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا کوئی دوسرا بھائی اس سے اپنی بیماری بیان کرے تو یہ کہے کہ رب ہمارا وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے۔ اے

اللہ! تیرا نام پاک ہے اور تیرا اختیار زمین و آسمان میں ہے' جیسے تیری رحمت آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں رحمت کر۔ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے۔ تو پاک لوگوں کا رب ہے۔ اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت اور اپنی شفاؤں میں سے ایک شفاء اس درد کے لیے نازل فرما کہ یہ درد جاتا رہے۔

فائدہ:

"رَبُّنَا اللہُ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ" ہمارا مستدل ہے۔ "اللہ" اسم ذات ہے۔ لہٰذا اس سے بلا تاویل معیت ذاتیہ ہی مراد ہے۔

دلیل نمبر 15:

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمہ اللہ (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ بَیْنَمَا نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَأَصْحَابُهُ ... ثُمَّ قَالَ: "وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّکُمْ دَلَّیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ السُّفْلٰی لَھَبَطَ عَلَی اللّٰہِ."

(سنن الترمذی: ج2 ص165 تفسیر سورۃ الحدید)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف فرما تھے..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اٹھا کر فرمایا: اگر تم ایک رسی سب سے نیچے والی زمین پر ڈالو تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جائے گی۔

فائدہ:

رسی کا زمین کے نیچے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا دلیل ہے کہ ذات باری تعالیٰ صرف عرش پر نہیں بلکہ ہر کسی کے ساتھ موجود ہے۔

دلیل نمبر 16:

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِی مُوسٰی رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَجْھَرُونَ بِالتَّکْبِیرِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "أَیُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِنَّکُمْ لَیْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَهٗ سَمِیْعاً قَرِیْباً وَھُوَ مَعَکُمْ."

(صحیح مسلم؛ ج2 ص346 باب استحباب خفض الصوت بالذکر)

ترجمہ: "حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے 'لوگ اونچی آواز سے تکبیریں کہنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی جانوں پر نرمی کرو! تم بہرے و غائب کو نہیں پکار رہے، تم جسے پکار رہے ہو وہ سننے والا، قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔"

فائدہ:

اس حدیث میں "سَمِیْعًا" سے قربِ علمی مراد ہے اور "قَرِیْبًا" سے قرب ذاتی مراد ہے۔ "ھو" ضمیر برائے ذات ہے اس لیے "وَھُوَ مَعَکُمْ" لا کر مزید وضاحت فرما دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب و معیت ذاتیہ ہے۔

دلیل نمبر 17:

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی رحمہ اللہ (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْغَاضِرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ، مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ فَإِنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَعْطٰى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ رَافِدَةً عَلَيْهِ فِيْ كُلِّ عَامٍ...وَزَكّٰى عَبْدٌ نَفْسَهُ." فَقَالَ رَجُلٌ: مَا تَزْكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَهُ حَيْثُمَا كَانَ."

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج4 ص95، 96 باب لا یاخذ الساعی، شعب الایمان للبیہقی ج3 ص187 باب فی الزکوۃ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تین کام کئے وہ ایمان کا ذائقہ اور حلاوت محسوس کرے گا۔

1: صرف اللہ ہی کی عبادت کی کیونکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

2: خوش دلی اور رغبت سے ہر سال اپنے مال کی زکوۃ ادا کی

3: اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔

اس پہ ایک شخص نے سوال کیا: یارسول اللہ! آدمی کے اپنے نفس کا "تزکیہ" کرنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان یہ یقین بنالے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔

فائدہ:

لفظ "اللہ" اسم ذات ہے۔ لہذا "اَنَّ اللّٰهَ مَعَهُ حَيْثُمَا كَانَ" سے صراحتاً بلا تاویل معیت ذاتیہ مراد ہے۔

دلیل نمبر 18:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی رحمہ اللہ (ت 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اِنَّ اَفْضَلَ الْاِيْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ."

(المعجم الاوسط للطبرانی: ج6 ص287 رقم الحدیث 8796)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل ایمان یہ ہے کہ تو یہ یقین بنالے کہ اللہ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں بھی ہو۔

فائدہ:

لفظ "اللہ" اسم ذات ہے۔ لہذا "اَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ" سے صراحتاً بلا تاویل معیت ذاتیہ مراد ہے۔

دلیل نمبر 19:

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبۃ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی رحمہ اللہ (ت 235ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ حَبِيْبِ بْنِ أَبِيْ ثَابِتٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ قَالَ لِخَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ: ائْتِنِيْ بِرُمْحِكَ. فَعَقَدَ لَهُ لِوَاءً: ثُمَّ قَالَ لَهُ: سِرْ! فَإِنَّ اللّٰهَ مَعَكَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج12 ص513 باب فِي عَقْدِ اللِّوَاءِ وَاتِّخَاذِهِ)

ترجمہ: حضرت حبیب بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنا نیزہ مجھے دو پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس نیزہ پہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جھنڈا باندھ کے دیا اور فرمایا: جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہیں۔

فائدہ:

لفظ "اللہ" اسم ذات ہے۔ لہٰذا "فَإِنَّ اللهَ مَعَكَ" سے صراحتاً بلا تاویل معیت ذاتیہ مراد ہے۔

دلیل نمبر 20:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی رحمہ اللہ (ت 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثَةٌ فِي ظِلِّ اللهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: رَجُلٌ حَيْثُ تَوَجَّهَ عَلِمَ أَنَّ اللهَ مَعَهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ إِلَى نَفْسِهَا فَتَرَكَهَا مِنْ خَشْيَةِ اللهِ، وَرَجُلٌ أَحَبَّ بِجَلَالِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

(المعجم الکبیر للطبرانی: ج8 ص286 رقم الحدیث 7935)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا:

تین افراد ایسے ہیں جو قیامت کے دن اللہ کے (عرش) کے سائے کے نیچے ہوں گے جس دن کوئی سایہ نہیں ہو گا:

1: وہ شخص جو جہاں بھی جائے یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔

2: وہ شخص جسے کوئی عورت (برائی کے لیے) اپنے پاس بلائے لیکن وہ اللہ کے خوف سے اسے چھوڑ دے۔

3: وہ شخص جو (کسی دوسرے انسان سے) اللہ کی عظمت وجلال کے پیشِ نظر محبت کرے (نہ کہ اپنے ذاتی اغراض یا اس شخص کے کسی احسان کے پیشِ نظر)

فائدہ:

لفظ "اللہ" اسم ذات ہے۔ لہٰذا "عَلِمَ أَنَّ اللهَ مَعَهُ" سے صراحتاً بلا تاویل معیتِ ذاتیہ مراد ہے۔

اشکال:

ایک حدیث میں سات افراد کا ذکر ہے۔

امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ الْإِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ."

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 660)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات افراد ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے جس دن اس کے (عرش کے) سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہو گا۔ [1] عادل حکمران،

[2] وہ نوجوان جس نے اپنی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاری ہو، [3] وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں لگا رہتا ہو، [4] وہ دو افراد جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے دوستی کریں، جب جمع ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور جب جدا ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، [5] وہ شخص جسے کوئی منصب اور حسن وجمال والی عورت (زنا کے لیے) بلائے اور وہ شخص یہ کہہ دے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، [6] وہ شخص جو اس طرح چھپا کر صدقہ دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے اور [7] وہ شخص جو خلوت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔

تو یہ حدیث پہلی حدیث سے متعارض ہے۔

جواب:

سات کی تعداد حصر کے لیے نہیں کہ کوئی اور شخص اس میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ایک اور حدیث میں بھی ایسے شخص کا ذکر ہے جسے عرش کے سائے میں جگہ دیے جانے کا ذکر ہے

چنانچہ امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل البغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي الْيَسَرِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظَلَّهُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي ظِلِّهِ."

قَالَ مُعَاوِيَةُ: "يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ."

(مسند احمد: رقم الحدیث 15521)

ترجمہ: حضرت ابو یسر (کعب بن عمرو السلمی الانصاری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تنگدست مقروض کو مہلت دے یا اس کا قرض ہی معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے (عرش) کے سائے میں جگہ دیں گے۔ راوی حدیث معاویہ بن عمرو رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ) جس دن اللہ کے عرش کے سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہو گا۔

لہٰذا کسی حدیث میں کوئی اور تعداد مروی ہو تو وہ حدیث صحیح البخاری کے خلاف نہیں۔

چنانچہ علامہ زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن البغدادی الدمشقی الحنبلی المعروف ابن رجب رحمہ اللہ (ت 795ھ) حدیث "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ" کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيْثُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ هٰؤُلَاءِ السَّبْعَةِ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ، وَلَا يَدُلُّ عَلَى الْحَصْرِ، وَلَا عَلَى أَنَّ غَيْرَهُمْ لَا يَحْصُلُ لَهُ ذَالِكَ، فَإِنَّهُ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَّ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا، أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظَلَّهُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ."

(فتح الباری لابن رجب: ج4 ص63 کتاب الاذان باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ وفضل المساجد)

ترجمہ: اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان سات (قسم کے) افراد کو اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سایہ میں جگہ دیں گے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ (عرش کے سایہ میں) صرف یہی سات افراد ہوں گے اور یہ فضیلت کسی اور حاصل نہیں ہو گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جس شخص نے کسی تنگدست (مقروض) کو مہلت دی یا اس کا قرض ہی معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے (عرش) کے سائے میں جگہ دیں گے جس دن اللہ کے عرش کے سائے

کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہو گا۔

دلیل نمبر 21:

اللہ تعالیٰ خالق ہے اور عرش مخلوق ہے، خالق ازل سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ جب عرش نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کہاں تھے؟

دلیل نمبر 22:

حقیقتاً مستوی علی العرش ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ عرش کے محاذات میں ہوں گے۔

ب: عرش سے متجاوز ہوں گے۔

ج: عرش سے کم ہوں گے۔

اگر عرش کے محاذات میں مانیں تو عرش چونکہ محدود ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا' اور متجاوز مانیں تو اللہ تعالیٰ کی تجزی یعنی تقسیم لازم آئے گی (اور تجزی یعنی تقسیم جسم کی ہوتی ہے اور جسم حادث ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے) اور اگر عرش سے کم مانیں تو عرش یعنی مخلوق کا اللہ تعالیٰ یعنی خالق سے بڑا ہونا لازم آئے گا' جبکہ یہ تینوں صورتیں محال اور ناممکن ہیں۔

دلیل نمبر 23:

اللہ تعالیٰ خالق ہیں جو کہ غیر محدود ہیں، عرش مخلوق ہے جو کہ محدود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو غیر محدود کا محدود میں سمانا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

دلیل نمبر 24:

اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ہونا لازم آئے گا کیونکہ حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم کی ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں۔

دلیل نمبر 25:

اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لئے مکان ہو گا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان اپنے مکین سے بڑا ہوتا ہے، اس عقیدہ سے "اللہ اکبر" والا عقیدہ ٹوٹ جائے گا۔

دلیل نمبر 26:

اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لئے مکان ہو گا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان اپنے مکین کو محیط ہوتا ہے اور مکین محاط ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں محاط نہیں، قرآن کریم میں ہے: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ مُّحِيۡطًا﴾ [سورۃ النساء:126] کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

فائدہ:

دلیل نمبر 25 اور دلیل نمبر 26 الگ الگ ضابطے پر مبنی ہیں اس لیے دونوں الگ الگ دلیل ہیں، ایک دلیل نہیں۔

دلیل نمبر 25 کے ضابطے کا حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً وحسًّا عرش پر مانا جائے تو آسمان؛ مکان اور باری تعالیٰ؛ مکین ہوں گے۔ "مکان اپنے مکین سے بڑا ہوتا ہے" کے ضابطے کے تحت "اللہ اکبر" کا عقیدہ ٹوٹ جاتا ہے۔

دلیل نمبر 26 کے ضابطے کا حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً وحسًّا عرش پر مانا جائے تو آسمان؛ مکان اور باری تعالیٰ؛ مکین ہوں گے۔ "مکان اپنے مکین کو محیط ہوتا ہے" کے ضابطے کے تحت ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا﴾ کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔

ان دونوں محالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو حسًّا عرش پر ماننے کا عقیدہ باطل ہے۔

دلیل نمبر 27:

اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہتِ فوق لازم آئے گی جبکہ اللہ تعالیٰ جہات ستہ سے پاک ہیں کیونکہ جہت کو حد بندی لازم ہے۔ حد بندی کو جسم لازم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

دلیل نمبر 28:

اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہتِ فوق لازم آئے گی جبکہ اللہ تعالیٰ جہات ستہ سے پاک ہیں کیونکہ جہت کو حد بندی لازم ہے۔ حد بندی محدود کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ غیر محدود ہیں۔

فائدہ:

دلیل نمبر 27 اور دلیل نمبر 28 الگ الگ ضابطے پر مبنی ہیں اس لیے دونوں الگ الگ دلیل ہیں، ایک دلیل نہیں۔

دلیل نمبر 27 کے ضابطے کا حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً وحسًّا عرش پر مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے لیے جہتِ فوق ثابت ہو کر اللہ تعالیٰ کو حد بندی لازم آئے گی۔ "حد بندی کو جسم لازم ہے" کے ضابطے کے تحت اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت ہو جائے گا۔

دلیل نمبر 28 کے ضابطے کا حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً وحسًّا عرش پر مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے لیے جہتِ فوق ثابت ہو کر اللہ تعالیٰ کو حد بندی لازم آئے گی۔ "حد بندی محدود کی ہوتی ہے" کے ضابطے کے تحت اللہ تعالیٰ محدود قرار پائیں گے۔

ان دونوں محالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو حسًّا عرش پر ماننے کا عقیدہ باطل ہے۔

دلیل نمبر 29:

اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً فوق العرش مانا جائے تو عرش کو فی الوقت چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں جن کی تعداد بروز قیامت آٹھ ہو جائے گی۔ تو اس سے لازم آئے گا کہ مخلوق؛ ملائکہ نے خالق؛ اللہ تعالیٰ کو تھاما ہوا ہے جبکہ کسی مخلوق میں یہ طاقت نہیں کہ وہ خالق کو تھام سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ خود خالق نے مخلوق کو تھاما ہوا ہے کما قال تعالیٰ: ھو الحی القیوم۔ وہ زندہ ہے، ہر چیز کو تھامنے والا ہے۔

دلیل نمبر 30:

اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانا جائے اور استواء کا معنی قعود واستقرار کیا جائے تو ذات باری تعالیٰ کی طرح عرش کا بھی قدیم ہونا یا باری تعالیٰ سے پہلے ہونا لازم آئے گا جبکہ اللہ تعالیٰ سے پہلے کچھ نہیں تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهٗ. (صحیح البخاری: رقم الحدیث 7418، عن عمران بن حصین مرفوعاً)

کہ اللہ تعالیٰ موجود تھے اور اللہ سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔

مسلک اھل السنۃ والجماعۃ پر اعتراضات کے جوابات:

تمہید:

ایک چیز کا اگر جسم ہو تو حکم اور ہوتا ہے جسم نہ ہو تو حکم اور ہوتا ہے۔

مثال نمبر1: ایک الماری میں 10 کتابیں رکھنے کی گنجائش ہو اس میں اگر قرآن پاک رکھنا چاہیں تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ایک کتاب نکالی جائے پھر قرآن رکھا جائے جبکہ اسی قرآن کو دماغ یا دل میں محفوظ کرنے کے لئے دل و دماغ سے کسی چیز کے نکالنے کی ضرورت نہیں کیونکہ دماغ میں محفوظ ہونے والا قرآن بلا جسم ہے جبکہ الماری میں رکھا جانے والا مصحف جسم والا ہے۔

مثال نمبر2: اگر کوئی شخص بیت الخلاء میں قرآن، مصحف لے کر جائے تو بے ادبی ہے جبکہ حافظ قرآن کے سینہ میں قرآن موجود ہوتا ہے وہ اسی کے ساتھ بیت الخلاء جاتا ہے یہ بے ادبی نہیں کیونکہ پہلی صورت میں مصحف جسم والا اور دوسری صورت میں بلا جسم ہے۔

مثال نمبر3: اگر قرآن کریم نیچے رکھا ہو اور کوئی عالم کرسی پہ بیٹھ جائے تو بے ادبی شمار ہوتی ہے لیکن اگر قرآن کا حافظ نیچے بیٹھا ہو اور غیر حافظ عالم کرسی پہ بیٹھ جائے تو بے ادبی نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ پہلا قرآن جسم والا ہے اور دوسرا قرآن بغیر جسم کے ہے۔ جسم والے کا حکم الگ ہے اور بلا جسم کا حکم الگ ہے۔

مثال نمبر4: اگر بیڈ پہ قرآن رکھ کے خود اس پہ لیٹ جائے تو ناجائز ہے لیکن اگر حافظہ بیوی کے اوپر لیٹ جائے تو جائز ہے کیونکہ پہلا قرآن جسم والا ہے اور دوسرا قرآن بغیر جسم کے ہے۔ جسم والے کا حکم الگ ہے اور بلا جسم کا حکم الگ ہے۔

مثال نمبر5: اگر گھر میں آنے والی دلہن کے ہاتھ سے غلاف میں لپٹے ہوئے قرآن کریم کو لے کر چوم لے تو معیوب نہیں لیکن آنے والی حافظہ بیوی کے سینے کو سب کے سامنے یہ سمجھ کر چومے کہ اس میں قرآن کریم ہے اور یہ غلاف کی طرح ہے تو معیوب ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلا قرآن جسم والا ہے اور دوسرا قرآن بغیر جسم کے ہے۔ جسم والے کا حکم الگ ہے اور بلا جسم کا حکم الگ ہے۔

مثال نمبر6: اگر جنبی یا حائضہ کو قرآن بلا حائل پکڑایا جائے تو جرم لیکن اسی جنبی کے سینے میں قرآن محفوظ ہو تو جرم نہیں کیونکہ پہلا جسم والا دوسرا بلا جسم ہے۔ جسم والے کا حکم الگ ہے اور بلا جسم کا حکم الگ ہے۔

مثال نمبر7: اگر سینے میں قرآن موجود ہو تو حلول واتحاد کا سوال نہیں ہوتا لیکن یہی قرآن اگر باہر جسم کے ساتھ ہو تو اب یہ سوال ہو گا کہ قرآن کسی چیز کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتا ہے؟

اس تمہید کے بعد سمجھیں اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے پہ جتنے اشکال کئے جاتے ہیں ان کی بنیاد یہی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ موجود بالجسم سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں جبکہ اللہ موجود بلا جسم ہے۔

اعتراض نمبر1:

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانا جائے تو کیا اللہ تعالیٰ بیت الخلاء میں بھی موجود ہے؟ اگر کہیں کہ "نہیں" تو ہر جگہ ہونے کا دعویٰ ٹوٹ گیا اور اگر کہیں "ہے" تو اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔

جواب نمبر1:

یہ اعتراض تب پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو وجود بمعنی "جسم" کے ساتھ مانیں جیسے قرآن کریم کو بیت الخلاء میں لے کر جانا

قرآن کی توہین اور بے ادبی ہے حالانکہ ہر حافظ جب بیت الخلاء جاتا ہے تو قرآن اس کے سینے میں موجود ہوتا ہے لیکن بے ادبی نہیں، کیونکہ سینہ میں موجود قرآن جسم سے پاک ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ موجود بلا جسم ہیں۔

جواب نمبر2:

رمضان المبارک کا مہینہ ہر جگہ مبارک ہے۔ اگر کوئی شخص پوچھے کہ بیت الخلاء میں رمضان ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر جگہ رمضان نہیں، اگر ہے تو بیت الخلاء میں بابرکت کیسے؟ تو اس کا یہ سوال لغو ہوگا کیونکہ جب رمضان کا جسم نہیں ہے تو ہر جگہ ماننے میں کوئی بے ادبی نہ ہوگی اور یہ ہر جگہ بابرکت ہوگا۔ اسی طرح جب اللہ کا جسم نہیں تو ہر جگہ ماننے میں بے ادبی نہیں۔

جواب نمبر3:

بعض چیزوں کو اجمالاً بیان کریں تو مناسب اور ادب ہے، اگر تفصیلات بیان کریں تو خلافِ ادب ہے۔

مثال نمبر1: ﴿وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾

(الاحزاب:72)

ترجمہ: اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھالیا، بلاشبہ انسان بڑا ظالم اور نادان ہے۔

اجمالا انسان کو ظلوم وجہول کہنا درست ہے لیکن ایک ایک انسان کا نام لینا حتیٰ کہ صحابی بلکہ نبی علیہ السلام کا نام لیکر یہ کہنا جائز نہیں۔

مثال نمبر2: سسر اپنے داماد کو کہے: "میری بیٹی کے حقوق کا خیال رکھنا"، تو اجمالاً قول ہونے کی وجہ سے یہ ادب ہے لیکن اگر وہ تمام حقوق حتیٰ کہ جنسی ضرورت تک کے حقوق ایک ایک کرکے گنوانا شروع کردے تو یہ خلاف ادب ہے۔

مثال نمبر3: "سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کا خالق اللہ تعالیٰ ہے" یہ کہنا ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک عضو یہاں تک کہ عضو مخصوص کا نام لے کر یہی بات کہی جائے تو یہ خلافِ ادب ہے۔

مثال نمبر4: تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یہ اجمالاً کہنا ادب ہے لیکن تفصیلا ایک ایک چیز یہاں تک کہ پیشاپ، پاخانہ وغیرہ کا نام لے کر یہی بات کہنا بے ادبی ہے۔

اسی طرح "اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے" یہ اجمالاً کہنا تو مذکورہ قاعدہ کی رو سے درست اور ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک جگہ کا جس میں ناپسندیدہ جگہیں بھی شامل ہوں، نام لے کر کہا جائے تو یہ بے ادبی ہونے کی وجہ سے غلط ہوگا۔ لہٰذا ایسا سوال کرنا ہی غلط، نامناسب اور ناجائز ہے۔

اعتراض نمبر2:

(اس اعتراض کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ہر ایک کا وجود باقی رہے "اتحاد" کہلاتا ہے جیسے آملیٹ جس میں انڈا، ہری مرچ ٹماٹر، پیاز وغیرہ۔ اور دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ایک چیز کا وجود ختم ہو جائے "حلول" کہلاتا ہے جیسے چینی ملا دودھ۔)

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانیں تو اس سے حلول یا اتحاد لازم آئے گا۔

جواب:

حلول اور اتحاد تب لازم آئے گا جب اللہ تعالیٰ کے لئے جسم مانا جائے' جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں۔

تنبیہ:

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے لیکن اسے حلول زمانی نہیں کہا جاتا اس لئے کہ ہمیشہ سے ہونا یہ لازمان کی تعبیر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے یہ حلول مکانی نہیں اس لئے کہ ہر جگہ ہونا یہ لامکان کی تعبیر ہے۔

اعتراض نمبر3:

جب آپ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ پہ مانتے ہیں تو جو اعتراض اللہ کو عرش پہ ماننے سے پیدا ہوتے ہیں وہ یہاں پہ بھی ہوں گے۔

جواب:

ایک ہوتا ہے "بلا مکان" اور ایک ہوتا ہے "خاص مکان"۔ جب اللہ تعالیٰ کو خاص مکان یعنی عرش پر مانیں گے تب اشکالات ہوں گے، ہم نے اللہ تعالیٰ کو کسی خاص جگہ نہیں مانا بلکہ اللہ تعالیٰ کو موجود بلا مکان مانا ہے اور موجود بلا مکان کو سمجھانے کے لیے "اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر ہے" سے تعبیر کیا ہے، اس لیے اشکال پیدا نہیں ہوگا۔

غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات

دلیل نمبر1:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

(سورۃ الاعراف:54)

دلیل نمبر2:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

(سورۃ یونس:3)

دلیل نمبر3:

﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

(سورۃ الرعد:2)

دلیل نمبر4:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾

(سورۃ طٰہٰ:5)

دلیل نمبر5:

﴿اَلَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

(سورۃ الفرقان:59)

دلیل نمبر6:

﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

(سورۃ الم السجدۃ:4)

دلیل نمبر7:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

(سورۃ الحدید:4)

جواب نمبر1:

یہاں "استواء علی العرش" سے مراد "اللہ تعالیٰ کا عرش پر غالب ہونا ہے۔"

چنانچہ امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت256ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ {اسْتَوَى} عَلَا عَلَى الْعَرْشِ.

(صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں استواء علی العرش کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کا عرش پر غالب ہونا ہے۔

فائدہ نمبر1:

امام بخاری رحمہ اللہ نے استواء کا معنیٰ علا نقل کیا ہے اور "عَلَا" کا معنی غلبہ قرآن کریم سے ثابت ہے:

1: ﴿وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾

(سورۃ یونس:83)

ترجمہ: یقیناً فرعون زمین میں غالب ہو چکا تھا اور وہ سرکش لوگوں میں سے تھا۔

2: ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ﴾

(سورۃ القصص:4)

ترجمہ: فرعون زمین میں غلبہ پا چکا تھا۔

3: ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾

(سورۃ المومنون:91)

ترجمہ: نہ تو اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہے، اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا، اور پھر وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کو چڑھ دوڑتے۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔

فائدہ نمبر2:

"استواء" بمعنیٰ "غالب ہونا" یہ اہل عرب میں استعمال ہوتا ہے۔

(1): امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت458ھ) لکھتے ہیں:

ابو مالک اخطل غیاث بن الصَّلت بن طارقہ (ت90ھ) نے بشر بن مروان (ت74ھ) کی مدح میں یہ شعر کہا تھا:

قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ
مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَّ دَمٍ مُّهْرَاقِ

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2ص153)

ترجمہ: بشر بن مروان نے بغیر جنگ اور خونریزی کے عراق پر غلبہ پالیا۔

(2): ایک اور شاعر نے کہا:

فَلَمَّا عَلَوْنَا وَ اسْتَوَيْنَا عَلَيْهِمٖ
جَعَلْنَاهُمْ مَرْعَى لِنَسْرٍ وَّ طَائِرٖ

(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص154)

ترجمہ: جب ہم ان پر چڑھ دوڑے اور ان پر غلبہ پالیا تو انھیں (ٹکڑے ٹکڑے کر کے) گدھوں اور پرندوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیا۔

اشکال:

اگر کوئی کہے کہ عرش کی کیا تخصیص ہے، جب کہ اللہ تو آسمان، زمین اور دیگر مخلوقات پر بھی غالب ہے، تو عرش کو خاص کیوں کیا گیا؟

جواب نمبر 1:

عرش کائنات کا مکانِ آخر اور مکانِ اعظم ہے تو مکانِ آخر اور مکانِ اعظم تک غلبہ بتانے کے لیے عرش کا ذکر کیا۔ جیسے ایک آدمی کے پاس سائیکل، موٹر سائیکل اور کار ہو تو وہ اپنی ملکیت اور مالی رتبہ بتانے کے لیے یہ کہے: "میرے پاس کار ہے" تو اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے پاس سائیکل اور موٹر سائیکل رکھنے کی اہلیت نہیں۔

جواب نمبر 2:

اگر استویٰ علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حقیقتاً عرش پر ہونا مراد لیں تو قرآن کریم کی بہت ساری ان آیات کا ان آیات سے تعارض لازم آتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے فوق العرش ہونے کے بجائے فی السماء یا فی الارض یا ہر چیز کا احاطہ کرنے یا ہر جگہ ہونے کا ذکر موجود ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں تعارض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾

(سورۃ النساء: 82)

ترجمہ: اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔

فی السماء اور فی الارض کا ذکر:

﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ (٣)﴾

(سورۃ الانعام: 3)

ترجمہ: وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے پوشیدہ اور ظاہری احوال جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اسے بھی جانتا ہے۔

ہر چیز کے احاطہ کا ذکر:

﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (١٢٦)﴾

(سورۃ النساء: 126)

ترجمہ: زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر محیط ہے۔

ہر جگہ ہونے کا ذکر:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۤ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾

(سورہ البقرۃ: 115)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں، لہذا جس طرف بھی تم رخ کرو گے وہیں اللہ کی ذات موجود ہے۔

جواب نمبر3:

بہتر یہ ہے کہ جواب یوں دیا جائے کہ یہ متشابہات میں سے ہے اور اس کا معنی اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس پر کسی قسم کا اشکال نہ ہوگا اور آیات کا تعارض بھی لازم نہیں آئے گا۔

دلیل نمبر2:

وہ تمام آیات جن سے اللہ تعالیٰ کا جہتِ علو یعنی جانبِ بلندی کی طرف ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾

(سورۃ النساء؛158)

ترجمہ: بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

جواب:

اس آیت میں "الیہ" میں "ہ" ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں بلکہ اس سے مراد "آسمان" ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان کی طرف اٹھالیا۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی رحمہ اللہ (ت 671ھ) نے اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَیْ اِلَی السَّمَاءِ وَاللّٰهُ تَعَالٰی مُتَعَالٍ عَنِ الْمَكَانِ.

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج2 ص12)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔

رہا آسمان کا ذکر تو وہ اس لیے کہ آسمان ایسی جگہ ہے جہاں غیر اللہ کا حکم نہیں چلتا۔

چنانچہ امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمہ اللہ (ت606ھ) فرقہ مُشبِّہ (جو اللہ تعالیٰ کے لیے اس آیت سے جہت ثابت کرتے ہیں) کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ الرَّفْعُ اِلٰی مَوْضِعٍ لَا یَجْرِیْ فِیْهِ حُكْمُ غَیْرِ اللّٰهِ.

(التفسیر الکبیر للرازی: ج11 ص102 تحت قولہ تعالیٰ: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْه)

ترجمہ: ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ سے مراد ایسے مقام کی طرف اٹھانا ہے جہاں غیر اللہ کا حکم نہیں چلتا۔

فائدہ:

دنیا میں ہر چیز پر حقیقی اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے اگر ظاہری اختیار بندے کا ہو تو نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے اور اگر حقیقی اختیار کے ساتھ ساتھ ظاہری اختیار بھی اللہ پاک کا ہو تو نسبت اللہ پاک کی طرف ہوتی ہے۔

مثال نمبر1: اگر کوئی آدمی اپنے گھر سے دوسرے شہر چلا جائے تو نسبت اس کی طرف ہوتی ہے، مثلاً فلاں بندہ لاہور یا کراچی چلا گیا، لیکن اگر کوئی بندہ دنیا کو چھوڑ کر قبر میں چلا جائے تو نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلا گیا ہے کیونکہ موت کے بعد واپس آنے میں ظاہری اختیار بھی بندے کا ختم ہے جبکہ لاہور، کراچی جانے میں اور واپس آنے میں ظاہری اختیار بندے کے پاس موجود ہے۔

مثال نمبر2: اگر کوئی شخص ایک کنال کا پلاٹ خرید کر پندرہ مرلہ پر اپنا مکان بنائے اور پانچ مرلہ پر مسجد بنائے تو مکان کو اس کا گھر اور مسجد کو اللہ پاک کا گھر کہا جاتا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کی متعدد آیات میں بھی یہی بات ملتی ہے مثلاً:

[1]: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾

(سورۃ آل عمران: آیت19)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی دین برحق ہے۔ اور اہلِ کتاب نے ان کے پاس علم آجانے کے بعد محض باہمی ضد کی وجہ سے ہی اختلاف کیا۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے تو اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

دین میں کمی بیشی کا اختیار چونکہ بندے کے پاس نہیں، اس لیے فرمایا: ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾

[2]: ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَـنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ڴ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَـمُ اَنّٰى لَكِ ھٰذَا ۭ قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

(سورۃ آل عمران: آیت37)

ترجمہ: مریم کے رب نے اس کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمالیا اور اسے بہترین انداز میں پروان چڑھایا اور اسے زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دے دیا۔ جب بھی زکریا علیہ السلام ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے تو ان کے پاس کھانا موجود پاتے۔ [ایک دن] فرمانے لگے: اے مریم! تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟ وہ کہنے لگیں: یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے، بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام معمول کے مطابق جو کھانا سیدہ مریم علیہا السلام کو دے رہے تھے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق تھا لیکن اس میں حضرت زکریا علیہ السلام کا دخل تھا اور سیدہ مریم علیہا السلام کو جو کھانا اب ملا ہے اس میں حضرت زکریا علیہ السلام کا دخل نہیں تھا اس لیے اسے ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰه﴾ فرمایا۔

[3]: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾

(سورۃ آل عمران: آیت169)

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہو جائیں، ان کے بارے میں سوچنا بھی مت کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں۔

شہید کو جو موت کے بعد رزق ملتا ہے اس میں بھی بندے کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا اس لئے ﴿عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ فرمایا۔

[4]: ﴿ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا﴾

(سورۃ الفرقان: آیت46)

ترجمہ: پھر آہستہ آہستہ اس سائے کو ہم اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت1362ھ) فرماتے ہیں:

”چونکہ اس کا غائب ہونا محض قدرت الہیہ سے بلا شرکت غیرے ہے اور باوجود غیبوبت عن الحس کے علم الہی سے غائب نہیں اس لئے ”الینا“ فرمایا گیا“

(بیان القرآن: سورۃ الفرقان آیت46)

دلیل نمبر 3:

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾

(سورۃ الانعام:18)

ترجمہ: وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

جواب:

”اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر فوقیت“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ برتری اور غلبہ کے اعتبار سے اپنے بندوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اس سے مراد حسی غلبہ اور فوقیتِ مکانیہ نہیں ہے۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَمَعْنٰی ﴿فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ فَوْقِيَّةُ الِاسْتِعْلَاءِ بِالْقَهْرِ وَالْغَلَبَةِ عَلَيْهِمْ أَيْ هُمْ تَحْتَ تَسْخِيْرِهٖ لَا فَوْقِيَّةُ مَكَانٍ كَمَا تَقُوْلُ: السُّلْطَانُ فَوْقَ رَعِيَّتِهٖ أَيْ بِالْمَنْزِلَةِ وَالرِّفْعَةِ.

(الجامع لاحکام القرآن: ج1 ص1176)

ترجمہ: ”فوق عبادہ“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ رب العزت کا اپنے بندوں پر برتری اور غلبہ ہے یعنی بندے اللہ کے حکم کے پابند ہیں، اس سے مراد یہ نہیں کہ اللہ مکان کے اعتبار سے اوپر ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے آپ کہیں کہ ”بادشاہ اپنی رعایا سے اونچا ہے“ اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا سے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے بلند ہے۔

دلیل نمبر 4:

﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾

(سورہ فاطر؛10)

ترجمہ: اسی کی طرف پاکیزہ کلام چڑھتا ہے۔

جواب:

یہ کنایہ حسنِ قبول سے ہے۔

چنانچہ امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) فرماتے ہیں:

صُعُوْدُ الْكَلِمِ الطَّيِّبِ وَالصَّدَقَةِ الطَّيِّبَةِ إِلَى السَّمَاءِ عِبَارَةٌ عَنْ حُسْنِ الْقُبُوْلِ لَهُمَا.

(کتاب الاسماء والصفات ج2 ص168)

کہ کلمات طیبہ اور صدقہ طیبہ کا آسمان کی طرف چڑھنا اس سے مراد ان کلمات اور اعمال کا قبول ہونا ہے۔

جیسے ہمارے ہاں کہا جاتا ہے فلاں بندہ ایوان صدر تک پہنچ گیا ہے اس کا مطلب ہوتا ہے ایوان صدر تک اس کی بات پہنچ گئی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ خود وہاں پہنچ گیا ہے۔

دلیل نمبر 5:

﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾

(سورۃ الملک:16)

ترجمہ: کیا تم کو اس (اللہ) کا جو آسمانوں میں ہے، خوف نہیں رہا۔

جواب نمبر 1:

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کا آسمان میں ہونا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت، سلطنت کا آسمان میں ہونا مراد ہے۔

امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی رحمہ اللہ (ت 606ھ) اس آیت کا معنی یہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿مَّنۡ فِي السَّمَآءِ﴾ سُلْطَانُهٗ وَمُلْكُهٗ وَقُدْرَتُهٗ. وَالْغَرْضُ مِنْ ذِكْرِ السَّمَاءِ تَفْخِيْمُ سُلْطَانِ اللهِ وَتَعْظِيْمُ قُدْرَتِهٖ.

(التفسیر الکبیر للرازی: ج30 ص70)

ترجمہ: اس سے مراد وہ ذات ہے جس کی بادشاہت، سلطنت اور قدرت آسمان میں ہے۔ آسمان کا تذکرہ کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور اس کی قدرت کی بڑائی کو بیان کرنے کے لیے ہے۔

جواب نمبر2:

اگر اس کا حقیقی معنی ہی مراد لیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہیں جیسا کہ غیر مقلدین کا موقف ہے تو اس صورت میں دو چیزیں ایسی ماننی پڑیں گی جو ناممکن اور محال ہیں۔

1: اللہ تعالیٰ کو عرش سے چھوٹا ماننا پڑے گا اس لئے کہ اس آیت سے ثابت ہو گا اللہ تعالیٰ آسمان میں ہیں اب آسمان محیط اللہ تعالیٰ محاط ہوئے اور محاط محیط سے چھوٹا ہوتا ہے تو معاذاللہ اللہ تعالیٰ آسمان سے چھوٹے ہوئے اور آسمان عرش سے چھوٹا تو نتیجہ اللہ تعالیٰ عرش سے چھوٹے ہوئے جبکہ یہ ناممکن اور محال ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اکبر من کل شئ ہیں۔

2: اگر اس کا حقیقی معنی ہی مراد لیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہیں تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا مالک لنفسہ ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿قُلۡ لِّمَنۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قُلۡ لِّلّٰهِ﴾

(سورۃ الانعام: آیت 12)

ترجمہ: آپ ان سے پوچھئے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے کس کی ملکیت ہے؟ فرمادیجئے یہ سب اللہ ہی کے لئے ہے۔

جب اللہ آسمان میں ہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات کا مالک ہونا لازم آئے گا جو کہ ناممکن اور محال ہے۔

امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت 606ھ) اس آیت سے استدلال کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ! أَنَّ الْمُشَبِّهَةَ احْتَجُّوْا عَلٰى إِثْبَاتِ الْمَكَانِ لِلّٰهِ تَعَالٰى بِقَوْلِهٖ: ﴿ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِي السَّمَآءِ﴾، وَالْجَوَابُ عَنْهُ: أَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَا يُمْكِنُ إِجْرَاؤُهَا عَلٰى ظَاهِرِهَا بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِيْنَ، لِأَنَّ كَوْنَهٗ فِي السَّمَاءِ يَقْتَضِيْ كَوْنَ السَّمَاءِ مُحِيْطًا بِهٖ مِنْ جَمِيْعِ الْجَوَانِبِ، فَيَكُوْنُ أَصْغَرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَالسَّمَاءُ أَصْغَرُ مِنَ الْعَرْشِ بِكَثِيْرٍ، فَيَلْزَمُ أَنْ يَكُوْنَ اللهُ تَعَالٰى شَيْئًا حَقِيْرًا بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْعَرْشِ، وَذٰلِكَ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ مُحَالٌ، وَلِأَنَّهٗ تَعَالٰى قَالَ: ﴿قُلۡ لِّمَنۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قُلۡ لِّلّٰهِ﴾ فَلَوْ كَانَ اللهُ فِي السَّمَاءِ لَوَجَبَ أَنْ يَكُوْنَ مَالِكًا لِنَفْسِهٖ وَهٰذَا مُحَالٌ، فَعَلِمْنَا أَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ يَجِبُ صَرْفُهَا عَنْ ظَاهِرِهَا إِلَى التَّأْوِيْلِ.

(التفسیر الکبیر للرازی: ج30 ص69،70 سورۃ الملک آیت ءَأَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ)

ترجمہ: یہ بات جان لیجئے کہ فرقہ مشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کو ثابت کرنے کے لیے اس آیت ﴿ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِي السَّمَآءِ﴾ کہ "کیا تمہیں اس ذات کا خوف نہیں رہا جو آسمانوں میں ہے" سے استدلال کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کا ظاہری معنی ہر گز مراد نہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مانیں تو ماننا پڑے گا کہ آسمان اللہ تعالیٰ کو محیط ہو۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ آسمان سے چھوٹے قرار پائیں گے حالانکہ آسمان تو عرش سے بہت چھوٹا ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ عرش کی نسبت بہت چھوٹا ہو حالانکہ اس بات کے محال ہونے پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا ہے: ﴿قُلۡ لِّمَنۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قُلۡ لِّلّٰهِ﴾ کہ "آپ پوچھیں کہ

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے ؟اس کا جواب بھی خود فرما دیں کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے " تو اگر اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مان لیا جائے تو اس سے یہ بات لازم ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کا مالک ہو اور یہ بات محال ہے۔(کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں، مملوک نہیں) اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس آیت کا ظاہری معنی ہر گز مراد نہیں بلکہ اس کی تاویل کرنا واجب ہے۔

جواب نمبر3:

اگر اس کا حقیقی معنی ہی مراد لیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہیں تو پھر بھی یہ غیر مقلدین کے موقف فوق علی العرش کے خلاف ہے۔

دلیل نمبر6:

﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ﴾

(سورۃ المعارج:4)

ترجمہ: فرشتے اور حضرت جبریل؛ اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں۔

جواب:

اس سے مراد محل امر اور مکان امر ہے۔یعنی وہ مکان مراد ہے جس کی طرف جانے اور وہاں سے احکام لے کر زمین کی طرف اترنے کا اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَقَوْلُهُ : ﴿اِلَيْهِ﴾ يَعْنِي إِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ أَمَرَهُمُ اللهُ تَعَالٰى أَنْ يَعْرُجُوْا إِلَيْهِ. وَهٰذَا كَقَوْلِ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: ﴿وَ قَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾ [سورۃ الصافات:99] أَرَادَ أَرْضَ الشَّامِ. وَقَالَ تَعَالٰى : ﴿وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ﴾ [سورۃ النساء:100] أَيْ إِلَى الْمَدِيْنَةِ.

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج2 ص2436)

ترجمہ: اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتے اور روح (حضرت جبرئیل علیہ السلام) اس مکان کی طرف چڑھتے ہیں جس کی طرف اللہ جانے کا حکم فرمایا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا تھا: ﴿وَ قَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾ کہ "میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں، میرا رب مجھے راستہ دکھائے گا" مراد اس سے شام کی سرزمین کی طرف جانا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ﴾ جو بندہ اپنے گھر سے اللہ کی طرف ہجرت کرنے کے ارادے سے نکلتا ہے" تو اس آیت میں مراد مدینہ کی طرف ہجرت کرنا ہے۔

دلیل نمبر7:

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ، قَالَ : .... كَانَتْ لِيْ جَارِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ قِبَلَ أُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِهَا وَاَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ آدَمَ اٰسَفُ كَمَا يَأْسَفُوْنَ لٰكِنِّيْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ ذٰلِكَ عَلَيَّ. قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَلَا اُعْتِقُهَا؟ قَالَ: اِئْتِنِيْ بِهَا. فَاَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لَهَا: "اَيْنَ اللّٰهُ؟" قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ. قَالَ: "مَنْ اَنَا؟" قَالَتْ: اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ. قَالَ: "اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ."

(صحیح مسلم ج1 ص203، 204 باب تحریم الکلام فی الصلوۃ الخ)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ایک باندی تھی، جو احد اور جوانیہ کی طرف بکریاں چراتی تھی۔ایک دن میں وہاں آنکلا تو دیکھا کہ ایک بھیڑیا ایک بکری کو لے گیا ہے۔ آخر میں بھی آدمی ہوں مجھ کو بھی غصہ آجاتا ہے۔ میں نے اس کو ایک طمانچہ مارا۔

پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا یہ فعل بہت بڑا قرار دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اس باندی کو آزاد نہ کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بھیجا ہے) تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو آزاد کر دے اس لیے کہ یہ مؤمنہ ہے۔

جواب نمبر 1:

جواب سے پہلے تین باتیں سمجھیں:

پہلی بات: سند اور متن کا معنی

سند: حدیث کے دو حصے ہوتے ہیں۔ پہلا حصہ جس میں راوی؛ حدیث کے الفاظ کو ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آتے ہیں اس سلسلہ کو سند کہتے ہیں۔

متن: جہاں سند ختم ہو اور حدیث کے الفاظ شروع ہو جائیں تو ان الفاظ کو متن کہتے ہیں۔

دوسری بات: حدیث مضطرَب کی تعریف

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (ت 1394ھ) لکھتے ہیں:

حَدِيْثٌ يُرْوٰى عَلٰى اَوْجُهٍ مُخْتَلِفَةٍ مُتَسَاوِيَةٍ سَوَاءٌ كَانَ مِنْ رَاوٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ اَوْ اَكْثَرَ اَوْ مِنْ رَاوٍ ثَانٍ اَوْ مِنْ رُوَاةٍ وَلَا مُرَجِّحَ.

(قواعد فی علوم الحدیث: ص44)

ترجمہ: مضطرب وہ حدیث ہے جو ایک راوی سے مختلف الفاظ سے مروی ہو یا کئی روات سے مختلف الفاظ سے مروی ہو اور وہ قوت میں برابر ہوں، ان میں سے ایک کو دوسری پہ ترجیح بھی نہ دی جا سکے۔

تیسری بات: حدیث مضطرَب کا حکم

علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

"وَالْاِضْطِرَابُ يُوْجِبُ ضُعْفَ الْحَدِيْثِ لِاِشْعَارِهٖ بِعَدَمِ الضَّبْطِ وَيَقَعُ فِي الْاِسْنَادِ تَارَةً وَفِي الْمَتْنِ اُخْرٰى"

(تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص133)

ترجمہ: اضطراب کی وجہ سے حدیث میں ضعف پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ راوی نے الفاظِ حدیث کو صحیح طریقے سے ضبط نہیں کیا۔ اضطراب کبھی سند میں ہوتا ہے اور کبھی متن میں ہوتا ہے۔

اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث جاریہ مضطرب ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہے۔

[1]: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) لکھتے ہیں:

"وَقَدْ ذَكَرْتُ فِي كِتَابِ الظِّهَارِ مِنَ السُّنَنِ مُخَالَفَةَ مَنْ خَالَفَ مُعَاوِيَةَ بْنَ الْحَكَمِ فِي لَفْظِ الْحَدِيْثِ."

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2ص164)

ترجمہ: میں نے اپنی کتاب "السنن الکبریٰ" میں ان روات کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کے الفاظ کے بیان کردہ الفاظ کے بجائے اور الفاظ ذکر کیے ہیں۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) نے "السنن الکبریٰ" میں تفصیل سے ان روایات کا ذکر کیا ہے جن میں قبولِ اسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں "فی السماء" کے بجائے دیگر الفاظ کا ذکر ملتا ہے۔

مثلاً

- فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَبُّكِ؟. قَالَتِ: اَللّٰهُ رَبِّي. (عن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)
- فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَشْهَدِينَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟. قَالَتْ نَعَمْ (عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود)
- فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ادْعُ بِهَا. فَقَالَ: مَنْ رَبُّكِ؟. قَالَتْ: اللهُ (شرید بن سوید الثقفی رضی اللہ عنہ)

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج7 ص387 تا389 کتاب الظہار)

[2]: حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

"وَفِي اللَّفْظِ مُخَالَفَةٌ كَثِيْرَةٌ."

(تلخیص الحبیر لابن حجر: ج3 ص223 کتاب الکفارات)

ترجمہ: اس روایت کے الفاظ میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

[3]: شیخ الاسلام علامہ محمد زاہد بن الحسن الکوثری الحنفی (ت 1371ھ) فرماتے ہیں:

"لِاَنَّ الْحَدِيْثَ فِيْهِ اضْطِرَابٌ سَنَدًا وَمَتْنًا"

(تکملۃ الرد علی نُونِیّۃِ ابن القیم للکوثری: ص83)

ترجمہ: اس حدیث (جاریہ) میں سند اور متن دونوں کے اعتبار سے اضطراب پایا جاتا ہے۔

فائدہ:

اضطراب کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ حدیث کے متون مختلف کتب میں مختلف الفاظ سے موجود ہیں۔

1: امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: .... كَانَتْ لِي جَارِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًا لِي قِبَلَ أُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ عَنْ غَنَمِهَا وَأَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي آدَمَ آسَفُ كَمَا يَأْسَفُونَ لَكِنِّي صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ ذٰلِكَ عَلَيَّ. قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَفَلَا أُعْتِقُهَا؟ قَالَ: ائْتِنِي بِهَا. فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لَهَا: "أَيْنَ اللهُ؟" قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ. قَالَ: "مَنْ أَنَا؟" قَالَتْ: أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ. قَالَ: "أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ."

(صحیح مسلم ج1 ص203، 204 باب تحریم الکلام فی الصلوۃ الخ)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ایک باندی تھی، جو احد اور جوانیہ کی طرف بکریاں چراتی تھی۔ ایک دن میں وہاں آنکلا تو دیکھا کہ ایک بھیڑیا ایک بکری کو لے گیا ہے۔ آخر میں بھی آدمی ہوں مجھ کو بھی غصہ آجاتا ہے۔ میں نے اس کو ایک طمانچہ مارا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا یہ فعل بہت بڑا قرار دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اس باندی کو آزاد نہ کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بھیجا ہے) تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو آزاد کر دے اس لیے کہ یہ مؤمنہ

ہے۔

2: امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ (ت 275ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَارِيَةٍ سَوْدَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً. فَقَالَ لَهَا: "أَيْنَ اللهُ؟" فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ بِإِصْبَعِهَا. فَقَالَ لَهَا: "فَمَنْ أَنَا؟" فَأَشَارَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِلَى السَّمَاءِ يَعْنِي أَنْتَ رَسُولُ اللهِ. فَقَالَ: "أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ."

(سنن ابی داود: بَابٌ فِي الرَّقَبَةِ الْمُؤْمِنَةِ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی سیاہ رنگ کی باندی کو لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میرے ذمہ ایک مومن کو آزاد کرنا ہے {تو کیا میں اس باندی کو آزاد کر دوں؟} آپ علیہ السلام نے باندی سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے آپ کی طرف اور آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ مومنہ ہے، اس کو آزاد کر دو۔

3: امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النسائی رحمہ اللہ (ت 303ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ الشَّرِيدِ بْنِ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ فَقُلْتُ: إِنَّ أُمِّي أَوْصَتْ أَنْ تُعْتَقَ عَنْهَا رَقَبَةٌ وَإِنَّ عِنْدِي جَارِيَةً نُوبِيَّةً أَفَيُجْزِءُ عَنِّي أَنْ أُعْتِقَهَا عَنْهَا؟ قَالَ: "ائْتِنِي بِهَا." فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ رَبُّكِ؟" قَالَتْ: اللهُ. قَالَ: "مَنْ أَنَا؟" قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللهِ. قَالَ: "فَأَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ."

(سنن النسائی: کتاب الوصایا، باب فضل الصَّدَقَةِ عن الميّت)

ترجمہ: حضرت شرید بن سوید فرماتے ہیں میں لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میری والدہ نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے ایک باندی آزاد کرنا میرے پاس ایک سیاہ رنگ کی باندی ہے کیا میرے لئے جائز ہے کہ اس کو والدہ کی طرف سے آزاد کر دوں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اس باندی کو میرے پاس لے آو میں لیکر خدمت میں حاضر ہوا آپ علیہ السلام نے باندی سے پوچھا تیرا رب کون ہے؟ اس نے کہا اللہ۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں اس پہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ مومنہ ہے اس کو آزاد کر دو۔

4: امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (ت 179ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ أَنَّهُ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ جَارِيَةً لِي كَانَتْ تَرْعَى غَنَمًا لِي فَجِئْتُهَا وَقَدْ فُقِدَتْ شَاةٌ مِنَ الْغَنَمِ فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ: أَكَلَهَا الذِّئْبُ. فَأَسِفْتُ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَيَّ رَقَبَةٌ أَفَأُعْتِقُهَا؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيْنَ اللهُ؟" فَقَالَتْ: فِي السَّمَاءِ. فَقَالَ: "مَنْ أَنَا؟" فَقَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَعْتِقْهَا."

(موطا مالک: بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْعِتْقِ فِي الرِّقَابِ الْوَاجِبَةِ)

ترجمہ: حضرت عمر بن حکم فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! میری ایک باندی ہے جو بکریاں چراتی ہے، میں اس کے پاس گیا تو ایک بکری گم ہو چکی تھی۔ میں نے اس باندی سے بکری کے بارے پوچھا تو اس نے کہا کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ انسان ہونے کی وجہ سے مجھے اس پہ غصہ آیا اور میں نے اس کے چہرے پہ تھپڑ مار دیا اور میرے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا بھی ہے تو کیا میں اس باندی کو آزاد کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: آسمان میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کون ہوں؟ باندی نے جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بھیجا ہے) تب آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔

5: امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (ت 179ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَارِيَةٍ لَهُ سَوْدَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً فَإِنْ كُنْتَ تَرَاهَا مُؤْمِنَةً أُعْتِقُهَا. فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَتَشْهَدِينَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ؟" قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: أَتَشْهَدِينَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ؟" قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: "أَتُوقِنِينَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ؟" قَالَتْ: نَعَمْ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَعْتِقْهَا."

(موطا مالک: بَاب مَا يَجُوزُ مِنَ الْعِتْقِ فِي الرِّقَابِ الْوَاجِبَةِ)

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص اپنی سیاہ رنگ کی باندی کو لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے ذمہ ایک مومن کو آزاد کرنا ہے اگر آپ اس باندی کو مومن سمجھتے ہیں تو میں اس کو آزاد کرتا ہوں آپ علیہ السلام نے باندی سے پوچھا کیا تو اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا جی بالکل۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا تو اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا تو قیامت پہ یقین رکھتی ہے؟ اس نے کہا جی رکھتی ہوں آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔

وجوہ اضطراب:

ان متون کو دیکھا جائے تو کئی قسم کا اضطراب پایا جاتا ہے مثلاً

(1) باندی کس کی تھی؟ مالک کا نام کیا ہے؟ اس بارے روایات میں نام مختلف ہیں۔ چنانچہ

☼ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق باندی حضرت معاویہ بن حکم السلمی کی تھی۔

☼ سنن ابی داؤد میں رجلاً ہے نام کا ذکر نہیں۔

☼ سنن النسائی کی روایت میں شرید بن سوید ہے۔

☼ جبکہ مؤطا کی ایک روایت میں مالک کا نام عمر بن حکم اور دوسری میں رجلاً من الانصار کے الفاظ ہیں۔

(2) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے سوال کیا کیا؟

☼ صحیح مسلم اور ابو داؤد اور موطا کی ایک روایت میں سوال "اَیْنَ اللہُ" اور "مَنْ اَنَا" کے الفاظ سے ہے۔

☼ سنن النسائی میں سوال "مَنْ رَبُّكَ" اور "مَنْ اَنَا" کے الفاظ سے ہے۔

☼ مؤطا کی دوسری حدیث میں "أَتَشْهَدِينَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ" ہے نیز مؤطا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید و رسالت کے ساتھ قیامت کے متعلق بھی پوچھا باقی روایات میں قیامت کا تذکرہ نہیں۔

(3) باندی نے جواب کیا دیا؟

☼ صحیح مسلم اور موطا کی ایک روایت میں "اَیْنَ اللہُ" کا جواب "فِي السَّمَاءِ" سے اور "مَنْ اَنَا" کا جواب "رَسُوْلُ اللہِ" سے دیا۔

☼ سنن ابی داؤد میں "اَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ" اور "اَشَارَتْ إِلَى النَّبِيِّ" کے الفاظ ہیں۔

☼ سنن النسائی میں جواب لفظ "اللہ" اور "اَنْتَ رَسُوْلُ اللہِ" سے دیا۔

☼ جبکہ مؤطا کی دوسری روایت میں جواب "نَعَمْ" کے لفظ سے ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ یہ حدیث متن کے اعتبار سے مضطرب ہے اور اضطراب کی وجہ سے حدیث قابل استدلال نہیں ہوتی۔

جواب نمبر2:

ہر آدمی بقدر عقل مکلف ہوتا ہے۔ باندی کا جواب واقع کے مطابق درست نہ تھا‘ لیکن اس میں عقل ہی اتنی تھی کہ جواب اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے اس کا ایماندار ہونا تسلیم کر لیا گیا۔ لہٰذا اس سے اللہ کے محض ”فِي السَّمَآءِ“ ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (ت 1176ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الشَّارِعَ لَمْ يُخَاطِبْهُمْ إِلَّا عَلَى مِيْزَانِ الْعَقْلِ الْمُوَدَّعِ فِي أَصْلِ خِلْقَتِهِمْ قَبْلَ أَنْ يَتَعَانَوْا دَقَائِقَ الْحِكْمَةِ وَالْكَلَامِ وَالْأُصُوْلِ.... وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِامْرَأَةٍ سَوْدَاءَ: "أَيْنَ اللّٰهُ؟" فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ. فَقَالَ: "هِيَ مُؤْمِنَةٌ."

(حجۃ اللہ البالغۃ باب التیسیر)

ترجمہ: اصول، حکمت اور علم الکلام میں غور وفکر کرنے سے پہلے فطری طور پر جو لوگوں کو عقل دی گئی تھی شارع نے لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات فرمائی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو! اس لیے کہ یہ مؤمنہ ہے۔

فائدہ:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اطْحَنُونِي ثُمَّ ذَرُّونِي فِي الرِّيحِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّي لَيُعَذِّبَنِّي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ فَأَمَرَ اللّٰهُ الْأَرْضَ فَقَالَ اجْمَعِي مَا فِيكِ مِنْهُ فَفَعَلَتْ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ قَالَ يَا رَبِّ خَشْيَتُكَ فَغَفَرَ لَهُ.

(صحیح البخاری ج 1 ص 495 باب بلا ترجمۃ، بعد باب حدیث الغار)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی تھا جو بہت گناہگار تھا جب اسے موت آنے لگی تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاوں تو مجھے جلا دینا پھر میری ہڈیوں کو پیس لینا اور مجھے ہوا میں اڑا دینا قسم بخدا اگر میں اپنے رب کی پکڑ میں آ گیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا جو کسی کو بھی نہیں دیا ہو گا چنانچہ جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا، اللہ رب العزت نے زمین کو حکم دیا کہ اس بندے کے ذرات جہاں کہیں بھی ہیں ان کو جمع کر دے زمین نے اس کے ذرات جمع کر دیے تو وہ زندہ کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے یہ کام کیوں کیا؟ ایسی وصیت کیوں کی؟ تو وہ کہنے لگا اے میرے رب میں نے تیرے ڈر کی وجہ سے ایسا کیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بخش دیا۔

اس روایت میں مذکور شخص کا خوفِ خدا کی وجہ سے ایسی خلاف شریعت وصیت کرنا اور پھر اس کے گھر والوں کا اس پر عمل کرنا‘ واقع میں اسے اللہ کے سامنے حاضری سے نہ بچا سکا لیکن چونکہ اس میں عقل ہی اتنی تھی لہٰذا اس کا یہ عمل وعذر اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے قبول کر کے اسے بخش دیا گیا۔ یہاں بھی ایسی خلاف شریعت وصیت کرنے‘ اس پر عمل اور بوجہ عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

جواب نمبر3:

اگر اس حدیث کو سنداً و متناً صحیح و قابلِ استدلال مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث خود غیر مقلدین کے خلاف ہے کیونکہ ان کا دعویٰ تو فوق العرش ہونے کا ہے اور اس سے تو اللہ تعالیٰ کا ”فِي السَّمَآءِ“ ہونا لازم آتا ہے۔

دلیل نمبر 8:

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "يَنْزِلُ اللهُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حِينَ يَمْضِي ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَوَّلُ."

(صحیح مسلم ج1 ص258 باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل الخ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر رات جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے۔

جواب نمبر 1:

اس سے اللہ تعالیٰ کا حسّاً نزول فرمانا مراد نہیں بلکہ

1: اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت، اللہ تعالیٰ کا حکم اور ملائکہ کا اترنا مراد ہے۔

2: یا اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول کرنا اور ان پر لطف و کرم فرمانا مراد ہے۔

چنانچہ علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تَأَوَّلُوا هٰذَا الْحَدِيْث تَأْوِيلَيْنِ، أَحَدُهُمَا: تَأْوِيلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَغَيْرِهِ مَعْنَاهُ: تَنْزِلُ رَحْمَتُهُ وَأَمْرُه وَمَلَائِكَتُهُ كَمَا يُقَالُ: فَعَلَ السُّلْطَانُ كَذَا إِذَا فَعَلَهُ أَتْبَاعُهُ بِأَمْرِهِ. وَالثَّانِي: أَنَّهُ عَلَى الِاسْتِعَارَةِ، وَمَعْنَاهُ: الْإِقْبَالُ عَلَى الدَّاعِينَ بِالْإِجَابَةِ وَاللُّطْفِ.

(شرح صحیح مسلم ج1 ص258 باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل الخ)

ترجمہ: شارحین نے اس حدیث کی دو تاویلیں کی ہیں:

پہلی تاویل امام مالک بن انس رحمہ اللہ اور دیگر حضرات کی ہے کہ اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، اللہ تعالیٰ کا امر اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے اترتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے کہ "بادشاہ نے یہ کام کیا" جب وہ کام بادشاہ کے حکم سے اس کے ماتحت لوگ سرانجام دیں۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ استعارہ ہے، جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والوں کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہیں اور اپنے لطف و کرم سے انہیں نوازتے ہیں۔

جواب نمبر 2:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) اس کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"اور پھر یہ معترض صاحب جس عروج و نزول کے قائل ہوئے ہیں اس میں لازم آتا ہے کہ دن کو تو استواء علی العرش ہو اور شب کو استویٰ علی العرش نہ رہے۔ کیا یہ تغیر نہیں؟ پھر شب کہیں نہ کہیں تو ہر وقت ہی رہتی ہے تو چاہیے کہ کسی وقت استواء علی العرش نہ ہو اور دن بھی ہر وقت ہی کہیں نہ کہیں رہتا ہے تو چاہیے نزول الی السماء کسی وقت بھی نہ ہو۔ کیا ان سب محذورات کا التزام کریں گے؟ اور قائلین بالحقیقۃ بلا کیف پر یہ محذورات لازم نہیں آئے، اس لیے کہ وہ اس نزول و استواء کو مجتمع مان سکتے ہیں اور اشکالات کا جواب بلا کیف سے دے سکتے ہیں۔"

(تمہید الفرش فی تحدید العرش: ص609، 610)

جواب نمبر 3:

نیز اگر نزولِ رحمت کے بجائے حقیقتاً نزول مراد لیں تو اللہ کا جسم ماننا لازم آئے گا اور اللہ جسم سے پاک ہے۔

دلیل نمبر9:

اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں اسی لیے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم کلام ہونے کے لئے عرش پر بلایا۔

جواب:

ہم کلام ہونے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلانا اگر عرش پر ہونے کی دلیل ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلا کر ان سے گفتگو کرنا اللہ تعالیٰ کے کوہِ طور پر ہونے کی دلیل ہو گی۔ اور ہر نمازی کا مسجد میں جا کر اللہ سے بات کرنا ہر مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ہونے کی دلیل ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ کلامِ الہیٰ تجلیٔ الٰہی کا نام ہے، چاہے اس کے ظہور کے لئے انتخاب عرش کا ہو یا کوہ طور کا ہو۔

دلیل نمبر10

بوقت دعا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھائے جاتے ہیں جو دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

جواب:

اللہ تعالیٰ جہات ستہ سے پاک ہیں لیکن جہات ستہ کو محیط بھی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا﴾

(سورۃ النساء:126)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

لیکن بندے کے قلبی استحضار کے لئے بعض اعمال کے لئے بعض جہات کا تعین فرما دیتے ہیں۔ جیسے نماز کے لئے جہتِ کعبہ کو قبلہ قرار دیا، دعا کے لئے جہتِ فوق کو قبلہ قرار دیا اور نہایت اعلیٰ درجہ کے قربِ الہی کے حصول کے لئے جہتِ ارض کو قبلہ قرار دیا اور قرآن مجید میں حکم دیا:

﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (سورۃ العلق:19)

ترجمہ: اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔

علامہ محی الدین ابو زکریا یحیٰی بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت676ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا دَعَاهُ الدَّاعِي اسْتَقْبَلَ السَّمَاءَ، كَمَا إِذَا صَلَّى الْمُصَلِّي اسْتَقْبَلَ الْكَعْبَةَ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ مُنْحَصِرٌ فِي السَّمَاءِ، كَمَا أَنَّهُ لَيْسَ مُنْحَصِرًا فِيْ جِهَةِ الْكَعْبَةِ بَلْ ذٰلِكَ لِأَنَّ السَّمَاءَ قِبْلَةُ الدَّاعِيْنَ، كَمَا أَنَّ الْكَعْبَةَ قِبْلَةُ الْمُصَلِّيْنَ.

(شرح صحیح مسلم للنووی: ج1ص204)

ترجم: جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو آسمان کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس طرح نماز پڑھنے والا کعبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں منحصر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کعبہ کی جہت میں منحصر نہیں ہے بلکہ آسمان؛ دعا کرنے والوں کا قبلہ ہے جس طرح کعبۃ؛ نماز پڑھنے والوں کا قبلہ ہے۔

دلیل نمبر11:

اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کے لئے عموماً اوپر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے مثلاً یوں کہا جاتا ہے آسمان والا خدا، عرش والا خدا، اوپر والی ذات وغیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

جواب نمبر1:

اللہ تعالیٰ جہاتِ ستہ سے اگرچہ پاک ہیں، لیکن تمام جہات کو محیط بھی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا﴾

(سورۃ النساء:126)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

اور جہاتِ ستہ میں سے جہتِ علو کو باقی جہات پر عقلاً فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے علوِ مرتبہ اور تعظیم کا خیال کرتے ہوئے اشارہ اوپر کیا جاتا ہے۔ جیسے کسی جلسے میں کرسی یا سٹیج پر بیٹھنے والے شخص کو عقلاً فوقیت حاصل ہوتی ہے اگرچہ آواز مجمع میں بیٹھنے والے شخص کو بھی آ رہی ہوتی ہے۔

جواب نمبر 2:

اللہ تعالیٰ کی توجہ محل امر کی طرف ہے اور محل امر چونکہ اوپر کی طرف ہے اس لیے اشارہ بھی اوپر ہے۔

﴿3: اسماء باری تعالیٰ﴾

چند فوائد:

فائدہ نمبر1: اسماء باری دو قسم پر ہیں: [۱]: ذاتی [۲]: صفاتی

فائدہ نمبر2: ذاتی نام صرف ایک "اللہ" ہے، باقی تمام اسماء صفاتی ہیں۔

فائدہ نمبر3: اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کو "اسماءِ حسنیٰ" کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر4: جو اسماء قرآن و حدیث میں ذات باری تعالیٰ کے لیے استعمال کیے گئے ہیں یا تعامل امت، عرف عام میں ان اسماء کا اطلاق ذات باری پہ کیا گیا ہے تو ان اسماء کا استعمال ذات باری تعالیٰ کے لیے جائز ہے جیسے سمیع، علیم، قدیم واجب وغیرہ۔

فائدہ نمبر5: وہ اسماء جن کا استعمال ذات باری تعالیٰ کے لیے قرآن و حدیث یا اجماع سے ثابت نہیں تو ان کے اطلاق کے بارے میں ضابطہ یہ ہے:

1: وہ لفظ اگر اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی ترجمانی کرتا ہو

2: وہ لفظ غیر اللہ کے ساتھ خاص نہ ہو

3: اور اس لفظ کے استعمال سے ذات باری کی تنقیص کا پہلو نہ نکلتا ہو

تو اس اسم کا استعمال ذات باری تعالیٰ کے لیے جائز ہو گا۔ جیسے لفظ "خدا" یہ صفت؛ مالک و رب کا ترجمہ ہے۔

فائدہ نمبر6: کفار میں ذات باری کے لئے استعمال ہونے والے اسماء کے بارے میں جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ

1: یہ ذاتی ہیں یا صفاتی

2: اور صفاتی ہیں تو صفات میں سے کس صفت کی ترجمانی کرتے ہیں؟

تو اس وقت تک اس کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے۔

فائدہ نمبر7: غیر عربی زبان کا لفظ کسی صفت کی ترجمانی کرے مگر وہ کفار کا شعار بن چکا ہو تو ایسا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی (ت1416ھ) لکھتے ہیں:

"اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جاسکتا ہے جو غیر قوم کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں جاسکتا جیسے خدا، ایزد، یزداں کہ یہ نام کسی مخصوص غیر مسلم کے شعار نہیں بلکہ بکثرت اہلِ اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں"۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج1ص271)

فائدہ نمبر8: ہر زبان میں ذاتِ باری کے لئے ذاتی نام مقرر ہے۔ ان کا استعمال اسی زبان میں ذات باری کے لئے جائز ہے۔ جیسے فارسی اور اردو میں "خدا" اور انگریزی میں "God" (بڑی G کے ساتھ)

اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا جائز ہے

[1]: سید الفقہاء امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (ت150ھ) فرماتے ہیں:

وَكُلُّ شَيْءٍ ذَكَرَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِيَّةِ مِنْ صِفَاتِ اللهِ عَزَّ اسْمُهُ فَجَائِزٌ الْقَوْلُ بِهٖ سِوَى الْيَدِ بِالْفَارِسِيَّةِ "وَيَجُوْزُ أَنْ يُقَالَ "بروئے خدا" أَيْ عَزَّ وَجَلَّ بِلَا تَشْبِيْهٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ."

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ہر وہ صفت جس کا ذکر علماء نے فارسی زبان میں کیا ہے اس کا اطلاق (ذاتِ باری تعالیٰ پر) جائز ہے سوائے لفظ "ید" کے (یعنی

فارسی زبان میں "ید اللہ" کو "دستِ خدا" کہنا جائز نہیں) ہاں فارسی میں "بروئے خدا" کہنا جائز ہے بشرطیکہ بغیر تشبیہ و کیفیت کے کہا جائے۔

[2]: امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر فخر الدین رازی رحمہ اللہ (ت606ھ) فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُمْ بِالْفَارِسِيَّةِ "خُدَای" مَعْنَاهُ أَنَّهُ وَاجِبُ الْوُجُودِ لِذَاتِهِ لِأَنَّ قَوْلَنَا "خُدَای" كَلِمَةٌ مُرَكَّبَةٌ مِنْ لَفْظَتَيْنِ فِي الْفَارِسِيَّةِ: إِحْدَاهُمَا: خُوْدَ. وَمَعْنَاهُ ذَاتُ الشَّيْءِ وَنَفْسُهُ وَحَقِيقَتُهُ وَالثَّانِيَةُ قَوْلُنَا: "آی" وَمَعْنَاهُ جَاءَ، فَقَوْلُنَا: "خُدَای" مَعْنَاهُ أَنَّهُ بِنَفْسِهِ جَاءَ، وَهُوَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ بِنَفْسِهِ وَذَاتِهِ جَاءَ إِلَى الْوُجُودِ لَا بِغَيْرِهِ، وَعَلَى هٰذَا الْوَجْهِ فَيَصِيرُ تَفْسِيرُ قَوْلِهِمْ: "خُدَای" أَنَّهُ لِذَاتِهِ كَانَ مَوْجُودًا.

(التفسیر الکبیر: ج1 ص136 تفسیر سورۃ الفاتحہ مباحث بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

ترجمہ: اہلِ فارس جب اللہ تعالیٰ کو "خدا" کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ذات ہے کیونکہ ہمارا لفظ "خدا" یہ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ان میں سے ایک لفظ "خود" ہے جس کا معنی کسی چیز کی ذات اور حقیقت ہے۔ دوسرا لفظ "آ" ہے جس کا معنی ہے "آیا"۔ تو "خدا" کا معنیٰ ہو گا ایسی ذات جو خود بخود موجود ہو۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ خود بخود موجود ہے بغیر کسی کے موجود کرنے کے۔ اس تشریح کے مطابق لفظ "خدا" کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بخود موجود ہے۔

[3]: شیخ امام ابو المواہب عبد الوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الشافعی رحمہ اللہ (ت973ھ) فرماتے ہیں:

(فَإِنْ قُلْتَ) فَهَلْ يَعُمُّ تَعْظِيمُ الْأَسْمَاءِ جَمِيعَ الْأَلْفَاظِ الدَّائِرَةِ عَلَى أَلْسِنَةِ الْخَلْقِ عَلَى اخْتِلَافِ طَبَقَاتِهِمْ وَأَلْسِنَتِهِمْ؟

(فَالْجَوَابُ) نَعَمْ! هِيَ مُعَظَّمَةٌ فِي كُلِّ لُغَةٍ لِرُجُوعِهَا إِلَى ذَاتٍ وَاحِدَةٍ فَإِنَّ اسْمَ اللهِ لَا تَعرِفُ الْعَرَبُ غَيْرَهُ وَهُوَ بِلِسَانِ فَارِسٍ "خُدَای" وَبِلِسَانِ الْحَبَشَةِ "وَاقْ" وَبِلِسَانِ الْفَرَنْجِ "كَرِيْطُوْرْ" وَابْحَثْ عَلَى ذَالِكَ فِي سَائِرِ الْأَلْسُنِ تَجِدْ ذَالِكَ الِاسْمَ الْإِلٰهِيَّ مُعَظَّمًا فِي كُلِّ لِسَانٍ.

الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر: ص141 المبحث الثالث عشر

ترجمہ: اگر آپ یہ سوال کریں کہ کیا اسمائے باری تعالیٰ کی تعظیم ان تمام الفاظ (کی تعظیم) کو شامل ہے جو مختلف طبقات اور مختلف زبانیں بولنے والے افراد (اللہ تعالیٰ کے لیے) استعمال کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! (کیونکہ) ان تمام الفاظ (جو مختلف زبانیں بولنے والے افراد اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرتے ہیں) کا مرجع ایک ہی ذات ہے اس لیے یہ تمام الفاظ لائقِ تعظیم ہیں۔ عرب لوگ لفظ "اللہ" کے علاوہ باری تعالیٰ کا کوئی اور نام نہیں جانتے جبکہ باری تعالیٰ کا نام فارسی لغت میں "خدای"، اہلِ حبشہ کی لغت میں "واق" اور فرنج (فرانسیسی) لغت میں کریطور (Creator) ہے۔ آپ ان تمام لغات میں تحقیق کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہر زبان میں (بولا جانے والا) اسم باری تعالیٰ عظمت کے ساتھ مستعمل ہے۔

[4]: مولوی غیاث الدین محمد بن جلال الدین رامپوری رحمہ اللہ (ت1261ھ) فرماتے ہیں:

"خدا بالضم بمعنی مالک وصاحب۔ چوں لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذات باری تعالیٰ اطلاق نکند مگر در صورتے کہ بچیزے مضاف شود، چوں کدخدا، و دِہ خدا۔ و گفتہ اند کہ خدا بمعنی خود آئندہ است، چہ مرکب است از کلمہ "خود" و کلمہ "آ" کہ صیغہ امر است از آمدن، وظاہر است کہ امر بترکیب اسم معنی اسم فاعل پیدا می کند، وچوں حق تعالیٰ بظہور خود بدیگرے محتاج نیست لہذا بایں صفت خوانند، از رشیدی، وخیابان وخان آرزو در سراج اللغات نیز از علامہ دوانی وامام فخر الدین رازی ہمیں نقل کردہ۔"

(غیاث اللغات ص185)

ترجمہ: لفظ "خدا" (خا کی پیش کے ساتھ) مالک اور صاحب کے معنی میں ہے جب لفظ خدا مطلق ہو تو حق تعالیٰ شانہ کے علاوہ کسی دوسرے پر نہیں بولتے مگر جس صورت میں کہ کسی چیز کی طرف مضاف ہو، مثلاً کدخدا، دِہ خدا۔ اور علماء نے لکھا ہے کہ لفظ خدا کے اصل معنی ہیں خود ظاہر

ہونے والا (یعنی جس کا وجود ذاتی ہو، کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو) کیونکہ خدا کا لفظ دو لفظوں سے مرکب ہے "خود" اور "آ" اور "آ" کا لفظ آمدن سے امر کا صیغہ ہے اور فارسی کا قاعدہ ہے کہ امر کا صیغہ کسی اسم کے ساتھ مل کر اسم فاعل کا معنی دیتا ہے چونکہ حق تعالیٰ شانہ اپنے وجود وظہور میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں اس لئے حق تعالیٰ کے لیے یہ صفت استعمال کی گئی یہ مضمون رشیدی اور خیابان (دو کتابوں کے نام) سے ماخوذ ہے اور خان آرزو نے سراج اللغات میں علامہ دوانی اور امام فخر الدین رازی سے یہی نقل کیا ہے۔

[5]: مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ (ت 1413ھ) فرماتے ہیں:

لفظ "خدا" حق تعالیٰ شانہ کے اسم ذات اللہ کا ترجمہ نہیں بلکہ لفظ "خدا" فارسی کا لفظ ہے جس کے معنی مالک، صاحب، آقا، اور واجب الوجود کے ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج2ص566)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ (ت 1413ھ) مزید فرماتے ہیں:

لفظ "خدا" اپنے اصل معنی کے لحاظ سے حق تعالیٰ شانہ کا صفاتی نام ہے یعنی وہ ذات پاک جس کا وجود اپنا ذاتی ہو اور وہ اپنے وجود میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔ اس لئے اس لفظ کا اطلاق حق تعالیٰ شانہ کے علاوہ کسی دوسرے پر نہیں ہوتا اور یہ کہ یہ لفظ عربی لفظ "مالک" اور "رب" کے ہم معنی ہے جس طرح عربی میں لفظ "رب" مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق حق تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں البتہ اضافت کے ساتھ استعمال کیا جائے مثلاً رب المال (مال کا مالک) رب البیت (گھر کا مالک) تو اس کا اطلاق دوسروں پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح "خدا" کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے مالک علی الاطلاق مراد ہوتا ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک ہے اور جب یہ لفظ اضافت کے ساتھ بولا جائے جیسے کہ "کد خدا" (گھر کا مالک) "دِہ خدا" (گاؤں کا مالک) تو یہ لفظ اضافت کے ساتھ دوسروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔"

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج2ص567)

دلائل:

دلیل نمبر1:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾

(سورۃ الاعراف: 180)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہے ان ناموں سے اللہ کو پکارا کرو۔

استدلال:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام بہت سارے ہیں جن کے ذریعے اللہ پاک کو پکارنا جائز ہے ان صفاتی ناموں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کا عربی زبان کے علاوہ دوسرے زبانوں میں ترجمہ کیا جاسکتا ہے جیسے لفظ رب، مالک۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ (ت 1413ھ) فرماتے ہیں:

"ذاتی نام کا ترجمہ تو کسی زبان میں بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے جو صفاتی نام ہیں ان کا ترجمہ اور مفہوم دوسری زبانوں میں ادا کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو جو "خدا" کہا جاتا ہے یہ اس کے صفاتی نام "مالک" کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "خدا" اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں کہا جاتا اور نہ کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو "خدا" کہہ کر پکارنا سورۃ اعراف کی اس آیت ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ کے ذیل میں آتا ہے۔"

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج2ص565)

دلیل نمبر2:

﴿كُلُّ شَیۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ﴾

(سورۃ القصص:88)

ترجمہ: اللہ پاک کی ذات کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (ت1394ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"کسی شئے کا وجود ذاتی اور خود بخود نہیں، خدا کو خدا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور اس کا وجود ذاتی ہے اس کے سوا جو چیز بھی موجود کہلاتی ہے تو اس کا وجود خدائے واجب الوجود کے سہارے سے ہے۔"

(معارف القرآن:ج6ص81)

دلیل نمبر3: قیاس شرعی

جب اللہ تعالیٰ کے دوسرے صفاتی ناموں کا ترجمہ دوسری زبانوں میں جائز ہے جیسے "رحمٰن" کا ترجمہ مہربان، "رب" کا معنی پروردگار تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ "مالک" کا معنی اور ترجمہ "خدا" بھی جائز ہونا چاہیے۔

چند شبہات کے جوابات

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو "خدا" کہنا جائز نہیں سمجھتے وہ کئی قسم کے شبہات پیش کرتے ہیں۔

شبہ نمبر1:

"خدا" ایسا لفظ ہے کہ غیر اللہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس لئے ایسا لفظ اللہ کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

جواب نمبر1:

اس طرح تو اللہ تعالیٰ کی بہت ساری صفات ہیں جو عام بندوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

مثلاً:

1: رب: انسان کے لیے عربی میں عام استعمال ہوتا ہے اور قرآن کریم نے بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً:

(الف) جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا:

﴿مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ﴾ (سورۃ یوسف:23)

ترجمہ: اللہ کی پناہ؛ وہ میرا آقا ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے

(ب) جب حضرت یوسف علیہ السلام سے دو قیدیوں نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا:

﴿اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسۡقِیۡ رَبَّهٗ خَمۡرًا﴾

(سورۃ یوسف:41)

ترجمہ: تم میں سے ایک آزاد ہو کر اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔

(ج) جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا گمان تھا کہ وہ رہا ہو گا، آپ نے اسے فرمایا:

﴿اذۡكُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّكَ﴾

(سورۃ یوسف:42)

ترجمہ: رہا ہونے کے بعد اپنے آقا کے سامنے میرا تذکرہ کرنا۔

(د) کچھ عرصے بعد بادشاہ نے خواب دیکھا اور تعبیر پوچھنے کے لیے اسی آزاد ہونے والے شخص کو حضرت یوسف کے پاس بھیجا۔ آپ نے تعبیر بتائی۔ بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لاؤ! جب قاصد بلانے کے لئے پہنچا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ﴾

(سورۃ یوسف:50)

ترجمہ: اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے ان کا کیا قصہ ہے ؟

2: سمیع: یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے:

﴿اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ﴾

(سورۃ سبا:50)

ترجمہ: میرا رب سب کچھ سنتا ہے۔

اور "سماع" کا لفظ بندوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ (۷۵)﴾

(سورۃ البقرۃ:75)

ترجمہ: کیا تم لوگ یہ امید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور حال یہ ہے ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں۔ پھر سمجھنے اور جاننے کے باوجود اس میں تحریف کرتے رہے ہیں۔

3،4: رؤف، رحیم: یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾

(سورۃ البقرۃ:143)

اور یہی لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (۱۲۸)﴾

(سورۃ التوبۃ:59)

ترجمہ: تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا جو تم میں سے ہے، تمہاری ہر تکلیف پر اسے مشقت ہوتی ہے، تمہاری بھلائی کے معاملے میں حریص ہے، مؤمنین کے لیے انتہائی شفیق اور مہربان ہے۔

5: مالک: یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

﴿مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ (٤)﴾

(سورۃ الفاتحۃ:3)

اور فرشتے کے لیے بھی قیامت کے دن اہل جہنم جہنم کے عذاب سے تنگ آکر فرشتے سے کہیں گے:

﴿یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ﴾

(سورۃ الزخرف:77)

ترجمہ: اے مالک! تمہارا پروردگار ہمیں موت دے کر ہمارا کام تمام کر دے۔

فائدہ:

ان اسماء کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جب یہ اللہ پاک کی ذات کے لئے استعمال ہوں تو معنی اور ہوگا، جب مخلوق کے لئے استعمال ہوں

گے تو معنی اور ہو گا۔

امام علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1088ھ) فرماتے ہیں:

وَجَازَ التَّسْمِيَةُ بِعَلِيٍّ وَرَشِيْدٍ مِنَ الْاَسْمَآءِ الْمُشْتَرَكَةِ وَيُرَادُ فِيْ حَقِّنَا غَيْرُ مَا يُرَادُ فِيْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى.

(الدر المختار: ج6 ص417، فرع یکرہ إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم یتخطر قاب الناس)

ترجمہ: کسی کا نام اسماء مشترکہ میں سے رکھنا جائز ہے جیسے "علی" اور "رشید"۔ ہمارے حق میں ان اسماء کا وہ معنی مراد نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے لیے مراد ہوتا ہے۔

جواب نمبر2:

جس طرح لفظ "رب" کا اطلاق بغیر اضافت کے غیر اللہ پر نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح لفظ "خدا" جب بھی مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ بغیر اضافت کے کسی دوسرے کو "خدا" کہنا جائز نہیں۔

چنانچہ مولوی غیاث الدین محمد بن جلال الدین رامپوری رحمہ اللہ (ت 1261ھ) فرماتے ہیں:

"چوں لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذات باری تعالیٰ اطلاق نکنند مگر در صورتے کہ بچیزے مضاف شود، چوں کدُ خدا، وِہ خدا"

(غیاث اللغات: ص185)

ترجمہ: جب لفظ خدا مطلق ہو تو حق تعالیٰ شانہ کے علاوہ کسی دوسرے پر نہیں بولتے مگر جس صورت میں کہ کسی چیز کی طرف مضاف ہو، مثلاً کدُ خدا، دِہ خدا۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ (ت 1413ھ) فرماتے ہیں:

جس طرح عربی میں لفظ "رب" مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق حق تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں البتہ اضافت کے ساتھ استعمال کیا جائے مثلاً رب المال (مال کا مالک) رب البیت (گھر کا مالک) تو اس کا اطلاق دوسروں پر بھی ہوتا ہے اسی طرح خدا کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے مالک علی الاطلاق مراد ہوتا ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک ہے اور جب یہ لفظ اضافت کے ساتھ بولا جائے جیسے کہ "کدُ خدا" (گھر کا مالک) "دِہ خدا" (گاؤں کا مالک) تو یہ لفظ اضافت کے ساتھ دوسروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج2 ص567)

شبہ نمبر2:

لفظ "خدا" عربی نہیں اس لئے اللہ کے لیے لفظ خدا کو استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

جواب:

اللہ کو خدا کہنا ایسا ہی جائز ہے جیسے ہم اپنی زبان میں نماز، روزہ، درود، پیغمبر، پیامبر، فرشتے، دوزخ، بہشت وغیرہ کلمات کہتے ہیں۔ یہ سارے کے سارے کلمات غیر عربی ہیں۔ ایسے ہی خدا کا لفظ قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے کیونکہ یہ ایک غیر عربی کلمہ ہے۔ فارسی یا اردو میں ہم رب کو "خدا" یا "پروردگار" کہتے ہیں۔ اگر ہم غیر عربی میں نماز، پیغمبر، دوزخ، درود وغیرہ کلمات کہہ سکتے ہیں اور یہ جائز ہے تو پھر "خدا" کہنا بھی جائز ہے۔

شبہ نمبر3:

لفظ "خدا" کی جمع "خدایان" آتی ہے، اس جمع سے شرک کی بو آتی ہے کیونکہ اللہ ایک ہے۔

جواب:

اس دلیل کو اگر مان لیا جائے تو پھر اللہ کو "الہ" بھی نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اس کی جمع "الهة" آتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾

(سورۃ الانبیاء:22)

ترجمہ: اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو فساد ہوتا۔

پھر "رب" بھی نہ کہیں کیونکہ جمع "ارباب" آتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قیدی ساتھیوں سے پوچھا تھا:

﴿ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (٣٩)﴾ (سورۃ یوسف:39)

ترجمہ: کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے۔

بلکہ جمع کے علاوہ اس لفظ رب کی مؤنث بھی عربی زبان میں مستعمل ہے جبکہ لفظ خدا کم از کم اس عیب سے تو بَری ہے۔ مشہور حدیث جسے "حدیث جبرئیل" کہتے ہیں، اس میں ہے:

إِذَا وَلَدَتِ الْمَرْأَةُ رَبَّتَهَا.

(صحیح البخاری: باب قولہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ)

ترجمہ: قیامت کے قریب لونڈی اپنے مالک کو جنے گی۔

جب اس سب کے باوجود قرآن نے بلا جھجک اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کیا ہے تو "خدا" کے لفظ کو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے.

اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ کو "رحیم" بھی نہ کہو کیونکہ اس کی جمع "رحماء" آتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾

(سورۃ الفتح:29)

فائدہ نمبر9: امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ لِلّٰهِ تَعَالَى تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

(سنن الترمذی: ج2 ص190 کتاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو ان کو یاد کرلے گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔

اس حدیث مبارک میں وارد تمام اسمائے حسنیٰ کا حصر نہیں بلکہ ننانوے ناموں کا تذکرہ بطورِ فضیلت کے ہے یعنی جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ان ننانوے اسماء کو یاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے جنت عطا فرمائیں گے۔

فائدہ نمبر10: ننانوے اسماءِ حسنیٰ:

"ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الرَّحمٰن الرَّحیم المَلِك القُدُّوس السَّلام المؤْمن المُھَیْمِن العزیز الجبَّار المتَکَبِّر الخالق الباریء المصوِّر الغفَّار القهَّار الوھَّاب الرزَّاق الفتَّاح العلیم القابض الباسط الخافض الرافع المُعِزُّ المُذِلُّ السمیع البصیر الحَکَم العَدْل اللطیف الخبیر الحلیم العظیم الغفور الشکور العَلِیُّ الکبیر الحفیظ المُقِیْت الحسیب الجلیل الکریم الرقیب المُجیب الواسع الحکیم الوَدُود المجید الباعث الشهید الحَقُّ الوکیل القَوِیُّ المتین الوَلِیُّ الحمید المُحْصِی المُبْدِئ المُعِید الْمُحْیِی المُمِیْت الحَیُّ القَیُّوم الواجد الماجد الواحد الاَحَد الصَّمَد القادر المُقْتَدِر المُقَدِّم المُؤَخِّر الاول الآخِر الظاهر الباطن الوالی المُتَعَالی البَرُّ التوّاب المُنْتَقِم العَفُوُّ الرَّؤُف مالكُ الملك ذو الجلال والاکرام المُقْسِط الجامع الغَنِیُّ المُغْنِی المانع الضارُّ النافع النور الهادی البدیع الباقی الوارث الرشید الصبور."

فائدہ نمبر11: اسماءِ حسنیٰ کو "یا" حرفِ ندا اور بغیر حرفِ ندا کے دونوں طرح پڑھنا بلا کراہت درست اور جائز ہے۔

فائدہ نمبر12: اسمائے حسنیٰ میں سے کون سے اسماء بندوں کے لیے استعمال کے جاسکتے ہیں۔

اس بارے میں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحقیق نہایت ہی قابل قدر ہے اور ہماری نظر میں اہل علم حضرات کے لیے کافی وافی ہے، "فتاویٰ عثمانی" سے من وعن نقل کی جاتی ہے۔

"سوال:

آج کل عموماً باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ "عبد" کے اضافے کے ساتھ نام رکھے جاتے ہیں، مگر عموماً غفلت کی وجہ سے مسمّٰی کو بدون "عبد" کے پکارا جاتا ہے، حالانکہ بعض اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً عبد الرزاق وغیرہ، اندریں احوال اپنی جستجو کے مطابق فیض الباری ج:۴ ص:۴۲۳ سے اسمائے حسنیٰ درج کر رہا ہوں، تحقیق فرمائیں کہ کون سے اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، کہ ان کو بدون "عبد" کے مخلوق کے لیے استعمال کرنا گناہ کبیرہ ہے، اگر ان کے علاوہ اور کوئی اسماء ہوں تو وہ بھی درج فرمائیں مع تحقیق کے، نیز اسماء کے شروع یا آخر میں "محمد" یا "احمد" یا "اللہ" کا اضافہ کیسا ہے؟ مثلاً محمد متکبر، خالق احمد، محمد اللہ، احمد رزاق۔

اللہ، الرحمن، الرحیم، الملك، القدوس، السلام، المؤمن، المهیمن، العزیز، الجبار، المتکبر، الخالق، البارئ، المصور، الغفار، القهار، التواب، الوهاب، الخلّاق، الرزاق، الفتاح، الحلیم، العلیم، العظیم، الواسع، الحکیم، الحی، القیوم، السمیع، البصیر، اللطیف، الخبیر، العلی، الکبیر، المحیط، القدیر، المولیٰ، النصیر، الکریم، الرقیب، القریب، المجیب، الحفیظ، المقیت، الودود، المجید، الوارث، الشهید، الولی، الحمید، الحق، المبین، الغنی، المالك، القوی، المتین، الشدید، القادر، المقتدر، القاهر، الکافی، الشاکر، المستعان، الفاطر، البدیع، الفاخر، الاول، الآخر، الظاهر، الباطن، الکفیل، الغالب، الحکم، العالم، الرفیع، الحافظ، المنتقم، القائم، المحیی، الجامع، الملیك، المتعالی، النور، الهادی، الغفور، الشکور، العفو، الرؤوف، الاکرام، الاعلیٰ، البر، الخفی، الرب الاله، الاحد، الصمد، الذی لم یلد، ولم یولد، ولم یکن له کفوا احد۔

جواب:

کسی کتاب میں یہ تفصیل تو نظر سے نہیں گزری کہ کون کون سے اسمائے حسنیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں اور کون سے اسماء کا اطلاق دوسروں پر ہو سکتا ہے لیکن مندرجہ ذیل عبارتوں سے اس کا ایک اصول معلوم ہوتا ہے:

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

"وَذَکَرَ غَیْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْعُلَمَآءِ اَنَّ هٰذِهِ الْاَسْمَآءَ ...تَنْقَسِمُ قِسْمَةً اُخْرٰی اِلٰی مَا لَایَجُوْزُ اِطْلَاقُهٗ عَلٰی غَیْرِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی کَاللّٰهِ

وَالرَّحْمٰنِ وَمَا يَجُوْزُ كَالرَّحِيْمِ وَالْكَرِيْمِ "

(روح المعانی ج:9ص123 طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور سورۃ الاعراف: آیت 180)

[ترجمہ: کئی علماء کا کہنا ہے کہ ان اسماء کی ایک اور تقسیم اس اعتبار سے بھی ہے کہ ان میں سے کس نام کا استعمال غیر اللہ کے لیے جائز نہیں جیسے اسم "اللہ" اور "الرحمٰن" اور کس نام کا استعمال غیر اللہ کے لیے جائز ہے جیسے اسم "رحیم" اور "کریم"]

"وَجَازَ التَّسْمِيَّةُ بِعَلِيٍّ وَرَشِيْدٍ مِنَ الْاَسْمَاءِ الْمُشْتَرَكَةِ وَيُرَادُ فِيْ حَقِّنَا غَيْرُ مَا يُرَادُ فِيْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى . وَفِيْ رَدِّ الْمُحْتَارِ: اَلَّذِيْ فِي التَّاتَرْخَانِيَّةِ عَنِ السِّرَاجِيَّةِ التَّسْمِيَّةُ بِاسْمٍ يُوْجَدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى كَالْعَلِيِّ وَالْكَبِيْرِ وَالرَّشِيْدِ وَالْبَدِيْعِ جَائِزَةٌ الخ"

(شامی ج:5ص:268فرع یکرہ إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخطر رقاب الناس)

[ترجمہ: کسی کا نام اسماء مشترکہ میں سے رکھنا جائز ہے جیسے "علی" اور "رشید"۔ ان اسماء سے ہمارے حق میں وہ معنی مراد نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے لیے مراد ہوتا ہے۔ رد المحتار میں ہے کہ فتاویٰ تاتر خانیہ میں فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے جو منقول ہے کہ ایسا نام رکھنا جائز ہے جو قرآن مجید میں پایا جاتا ہو جیسے علی، کبیر، رشید، بدیع وغیرہ الخ]

وَفِي الْفَتَاوٰى الْهِنْدِيَّةِ: اَلتَّسْمِيَّةُ بِاسْمٍ لَمْ يَذْكُرْهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ عِبَادِهٖ وَلَا ذَكَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا اسْتَعْمَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ تَكَلَّمُوْا فِيْهِ، وَالْاَوْلٰى اَنْ لَّا يَفْعَلَ كَذَا فِي الْمُحِيْطِ.

(فتاویٰ عالمگیریہ ص:362 حظر واباحت باب 22)

[ترجمہ: فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ ایسا نام رکھنے کے بارے میں علماء نے کلام کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں ذکر نہیں کیا، نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے اور بہتر یہی ہے کہ ایسا نام نہ رکھا جائے۔]

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

اسماء حسنیٰ میں بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو قرآن وحدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں جیسے رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز وغیرہ۔ اور اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں، ان کو غیر االلہ کے لیے استعمال کرنا الحادِ مذکور میں داخل اور ناجائز وحرام ہے۔

(معارف القرآن ج:۴ص:۱۳۲ سورہ اعراف:۱۸)

ان عبارتوں سے اس بارے میں یہ اصول مستنبط ہوتے ہیں:

نمبر1: وہ اسمائے حسنیٰ جو باری تعالیٰ کے اسم ذات ہوں یا صرف باری تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کے معنی ہی میں استعمال ہوتے ہوں، ان کا استعمال غیر اللہ کے لیے کسی حال جائز نہیں، مثلاً: الله، الرحمٰن، القدوس، الجبار، المتكبر، الخالق، البارئ، المصور، الرزاق، الغفار، القهار، التواب، الوهاب، الخلاق، الفتاح، القيوم، الرب، المحيط، المليك، الغفور، الاحد، الصمد، الحق، القادر المحيي۔

نمبر2: وہ اسمائے جو باری تعالیٰ کی صفات خاصہ کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیا جا سکتا ہو، ان میں تفصیل یہ ہے

کہ اگر قرآن وحدیث، تعامل امت یا عرفِ عام میں ان اسماء سے غیر اللہ کا نام رکھنا ثابت ہو تو ایسا نام رکھنے میں مضائقہ نہیں، مثلاً: عزیز، علی، کریم، رحیم، عظیم، رشید، کبیر، بدیع، کفیل، ہادی، واسع، حکیم وغیرہ اور جن اسمائے حسنیٰ سے نام رکھنا نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہو اور نہ

مسلمانوں میں معمول رہا ہو، غیر اللہ کو ایسے نام دینے سے پرہیز لازم ہے۔

نمبر3: مذکورہ دو اصولوں سے اصول خود بخود نکل آیا کہ جن اسمائے حسنیٰ کے بارے میں یہ تحقیق نہ ہو کہ قرآن وحدیث، تعامل امت یا عرف میں وہ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں یا نہیں؟ ایسے نام رکھنے سے بھی پرہیز لازم ہے، کیونکہ اسمائے حسنیٰ میں اصل یہ ہے کہ ان سے غیر اللہ کا نام رکھنا جائز نہ ہو، جواز کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ ان اصولوں پر تمام اسمائے حسنیٰ کے بارے میں عمل کیا جائے، تاہم یہ جواب چونکہ قواعد سے لکھا ہے اور ہر ہر نام کے بارے میں اسلام کی کوئی تصریح احقر کو نہیں ملی، اس لیے اگر اس میں دوسرے اہل علم سے بھی استصواب کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

(فتاویٰ عثمانی: ص52،53)

فائدہ نمبر13: بواسطہ اسماءِ حسنیٰ دعائے مستجاب کا مجرّب طریقہ:

گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر سورہ حشر کا آخری رکوع ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ﴾ الآیۃ پڑھیں اور جب ﴿مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ﴾ پڑھ چکیں تو اپنی مشکل کا نام لے کر یوں دعا مانگیں "یا اللہ! میری یہ مشکل میرے لئے پہاڑ ہے۔ اپنی قدرت، طاقت اور اس تلاوت کی برکت سے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ فرما دے" اور جب ﴿لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى﴾ پڑھ چکے تو ننانوے اسماءِ حسنیٰ کو پڑھے، دل میں اپنی مراد کا تصور کرے اور سورۃ الحشر کے رکوع کے اختتام پر گیارہ بار درود شریف پڑھے، پھر اپنی مراد مانگے۔

فائدہ نمبر14: نظریہ صفات باری تعالیٰ کو دلائل کے ساتھ سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

1: کتاب الاسماء والصفات۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت458ھ)

2: دَفۡعُ شُبَہِ التَّشۡبِیہ۔ امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد تمیمی المعروف ابن جوزی (ت597ھ)

3: اَسَاسُ التَّقۡدِیس۔ امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین تمیمی الرازی (ت606ھ)

4: ایضاح الدلیل فی قَطۡعِ حُجَجِ اھل التَّعۡطِیل۔ قاضی محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ الکنانی الشافعی المعروف بدر الدین ابن الجماعہ (ت728ھ)

5: شرح المقاصد۔ امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (ت792ھ)

6: شرح المواقف۔ علامہ سید الشریف علی بن محمد الجرجانی (ت816ھ)

7: المُسَامَرۃ شرح المسایرۃ۔

[المتن: المُسَایرۃ فی العقائد المُنۡجِیَۃِ فی الآخرۃ۔ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابن الہام (ت861ھ)

الشرح: المسامرۃ۔ امام کمال الدین محمد بن محمد بن ابی بکر بن علی بن ابی شریف (ت905ھ)]

8: اِشارات المَرام من عبارات الامام۔ امام کمال الدین احمد بن حسن بن سنان الدین بیاضی البوسنوی الحنفی (ت1098ھ)

9: اِتّحَافُ الکَائنَات بیان مذھب السلف والخلف فی المتشابھات۔ شیخ محمود محمد خطاب السبکی (ت1325ھ)

10: تمہید الفرش فی تحدید العرش۔ مولانا اشرف علی تھانوی (ت1362ھ)

11: شیخ محمد زاہد بن الحسن الکوثری (ت1371ھ) کے تین مقالات

۱: عقیدۃ التنزیہ

۲: کلمۃ فی تنزیہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ لعلی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

۳: فِتَنُ الۡمُجَسِّمَۃ

شیخ الکوثری رحمہ اللہ کے یہ تینوں مقالات "مقالات الکوثری" میں شامل ہیں۔